بابت ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء

پہلا محاضرہ علمیہ

بر موضوع

لبرل اِزم اور اسلام

از:

مولانا غلام نبی قاسمی

استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

باہتمام

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم وقف دیوبند

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

کتابوں کی ہوش ربا دنیا میں جایئے، مذاہب وملل کی تاریخ پڑھیئے، اقوام عالم کے مختلف افکار ونظریات اخلاقیات واعمال، سیاست ومعاشرت، تہذیب وتمدن تعلیم وثقافت اور معاملات پر نگاہ ڈالئے اور پھر دین اسلام کے پاکیزہ نظریات، بلند افکار، مقدس تعلیمات مثالی اخلاقیات، زرین اقدار، اور ایک مضبوط، مرتب، منظّم اور مستحکم نظام ہدایت کا جائزہ لیجئے، جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں مناسب راہنمائی، ہر جگہ اور ہر عہد میں انسان کی صلاح وفلاح کا ضامن تو آپ کو اسلام کے علی الرغم ہر نظریہ ہر فکر، ہر عقیدہ، ہر عمل اور ہر طرز زندگی عجوبہ روزگار اور بازیچۂ اطفال نظر آئے گا۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیم کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ وہ حق اور باطل، صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ، راست روی اور گمراہی، نیکی اور بدی، بلندی اور پستی کے درمیان صراط مستقیم اور طریق قویم کی نہ صرف نشاندہی کرتی ہے بلکہ اس پر چلنے اور بے خطر منزلِ مقصود تک پہنچنے کا سروسامان بھی کرتی ہے۔

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک دنیا میں جتنے بھی افکار و نظریات پائے جاتے ہیں ان سب میں صحیح فکر، فیصلہ کن نظریہ اور پوری طرح سچائی اور راستی پر مبنی نظامِ زندگی ''دین اسلام'' کا ہے اس کے بالمقابل جو کچھ بھی ہے، باطل ہے، انسانی زندگی کے کسی ایک شعبے کو تو کیا، اس کے سویں (۱۰۰) حصہ کو بھی درست سمت میں لے جانے کا بھی اہل نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ مدنیت واجتماعیت کی صحیح تعمیر کرنے اور پورے عالم انسانیت کے

لیے ایک راہنما اور خضرِ راہ بننے کا اہل ہو۔

جنہوں نے خم ٹھونک کر اسلام کے عقائد ونظریات اور نظام حیات کے مقابلہ میں انسانی ہاتھوں کے تیار کردہ دساتیر وقوانین کو نظامِ زندگی کے طور پر متعارف کرانے اور اس پر سیاست، معاشرت، اجتماعیت، تمدن اور تعلیم وثقافت کی گاڑی دوڑانے کی سعی کی، جاننے والے ان کی ناکامی، ذہنی پسپائی، اور نفسیاتی ہزیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور جن بدنصیبوں نے اسلام کے دائرہ میں رہ کر تفریق وانتشار کی راہیں کھولیں ان کی نامرادیاں بھی ہر دور میں الم نشرح ہوتی رہیں۔

اس وقت دنیا میں کس قسم کے افکار ونظریات اور عقائد واعمال کا شیوع ہے؟ ان کی بنیادیں کیا ہیں؟ ان کے دعاوی ومستدلات کیا ہیں؟ ان کے نتائج واثرات کیا ہیں؟ ان کی سرگرمیاں کیا ہیں؟ کس نوعیت کی ہیں؟ ابنائے اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے پوری طرح واقف ہوں اور مادّی تہذیب کے دلدل میں پھنس کر اپنے مذہب سے دور کرنے والے مختلف رجحانات اور نظریات سے اپنا دامن بچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس نوعیت علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے ان کو استعمال میں لا کر دوسروں کو بھی اس سے بچائیں۔

لاریب کہ دین کی اشاعت کے میدان میں ہمارے مدارس کا کردار ہمیشہ سے مثالی رہا ہے اور ان درسگاہوں سے نکلنے والے بوریہ نشینوں اور سفید پوشوں نے اپنے علم وعمل، سیرت و کردار اور تقویٰ واخلاص کی بدولت باطل کے طوفانوں کا مقابلہ کیا ہے اور ہر حال میں عقیدہ و ایمان کی حفاظت کا سروسامان کیا ہے۔

آج بھی ملت کی نگاہیں انہیں دینی درسگاہوں پر مرکوز ہیں اور انہیں کو اپنے لئے مضبوط پناہ تصور کرتی ہیں تاہم آج فکری معرکہ آرائیوں سے واسطہ پڑ رہا ہے، جس سے نبرد آزما ہونے کے لئے علم وتحقیق کا اسلحہ ہی کارآمد سمجھا جائے گا۔

خانوادہ قاسمی نے ''فکر دیوبند کے علمبرداروں کو برصغیر کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں ہمیشہ علم

وفکر کی نئی جہتوں سے متعارف کرانے اور باطل نظریات کی بیخ کنی کے لئے موثر اور نفع بخش علمی وتحقیقی جہتوں سے آشنا کرانے میں دلیل راہ کا کام کیا ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' کا قیام اسی سلسلہ کی ایک جدید کڑی ہے۔ حجۃ الاسلام اکیڈمی کی تاسیس خانوادہ قاسمی کے شابِ موفق عزیزم مکرم مولانا محمد شکیب قاسمی کے ذریعہ عمل میں آیا۔ علم وتحقیق کا اعلیٰ ذوق انہیں ورثہ میں ملا ہے۔ تھوڑی عمر میں عالم اسلام کی بڑی بڑی دانش گاہوں سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم سے مرصع، عالمی سطح پر علمی وتحقیقی طریق کار سے واقف، جدید فکری رجحانات سے باخبر اور دور حاضر میں علمی وتحقیقی کاموں کا منہج کیا ہو اس پر پوری طرح مطلع ہیں۔

موصوف کی بیدار فکر اور جہد مسلسل کے نتیجے میں حجۃ الاسلام اکیڈمی سرگرم عمل ہے۔ اکیڈمی کے علمی وتحقیقی کاموں کے لئے انہوں نے جو خاکہ اور نظام تیار کیا ہے اس میں اکیڈمی کے زیر تربیت دو فارغ التحصیل مستعد طلباء کا انتخاب اور پوری دنیا میں جدید افکار اور نظریات پر محاضرات کا سلسلہ بھی ہے۔

''اسلام اور لبرل ازم'' اسی نفع بخش کوشش کا ایک حصہ ہے، یہ موضوع اہل علم کے نزدیک مانوس سہی، مگر طلباء اور سرسری معلومات رکھنے والے مسلم نوجوانوں کے لیے شاید زیادہ متعارف نہیں ہے، محاضرہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ ''لبرل ازم'' کے تعارف پر مشتمل ہے اور دوسرے حصہ میں ''لبرل ازم'' کے بارے میں اسلام کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں ''لبرل ازم'' کے تئیں اسلام کے موقف کی وضاحت مختلف سطحوں پر کی گئی ہے۔

غلام نبی کشمیری
استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند
۱۴/۴/۱۴۳۵ھ/۱۵/۲/۲۰۱۴

''لبرل ازم'' اور اسلام

''لبرل ازم'' (LIBERALISM) انگریزی کا لفظ ہے جس کے معنی حریت اور آزادی کے آتے ہیں مگر اب ایک مستقل ''مکتبہ فکر'' کے لیے اصطلاحی نام کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جو حریت فکر کی وکالت کرتا ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ انسانی افراد کی آزادی کا احترام واجب ہے[1] اور حکومتوں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی مختلف قسم کی آزادیوں کا تحفظ کریں، مثلاً آزادئ رائے، آزادئ اظہار، آزادئ فکر، آزادئ ملکیتِ خاص، آزادئ شخصی وغیرہ۔

اس مقصد کے لیے یہ مکتبہ فکر حکومتوں کے اختیارات، اور دائرہ کار کے لیے کچھ حدود وقیود کی وضع، ان کو آزادانہ تجارت اور خرید وفروخت میں مداخلت سے دور رکھنے اور شہری زندگی کی مختلف قسم کی آزادیوں کی توسیع کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

یہ مکتبہ فکر سیکولر بنیاد پر انسان کے احترام کا قائل ہے، اور اس کا کہنا ہے کہ انسان اپنی حوائج وضروریات کی تکمیل میں آزاد ہے۔

امریکن اکیڈمک انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

''جدید لبرل ازم انسان کو اعتدال کے ساتھ ''الٰہ'' کا بدل قرار دیتا ہے انسان اپنی عقل وفہم کی مدد سے ہر چیز کو سمجھ سکتے ہیں، اور یہ بات انسان کے امکان میں ہے کہ وہ ایک منظم عمل اور عقلیاتی نظام کی بنیاد پر اپنی ذات اور اپنے سماج کو ترقی دے اور آگے بڑھے۔

(ACADEMIC AMERICAN ENCYCLOPEDIA)

''لبرل ازم'' ایک سیاسی اور فلسفیانہ انداز کا مذہب ہے، جس کے نزدیک اجتماعی مصالح کی تنظیم کے لیے ''وحدت دین'' ضروری نہیں ہے، اور قانون کے لیے ضروری ہے کہ وہ

[1] المعجم الفلسفی: ۱/۴۶۱۔

آزادئ عقیدہ کی حمایت اور اس کا احترام کرے [1]۔

''لبرل ازم'' کی اصطلاح کا اطلاق چند امور پر ہوتا ہے، جس میں حریت فکر اور عقلیاتی فکر کی تشکیل اپنے نظریہ کی روشنی میں کرنا شامل ہے۔

برٹرنیڈ رسل ''BERTRAND RUSSEL'' مشہور ریاضی داں فلسفی اور امن کے علم بردار (۱۸۷۲ء) کا کہنا ہے: کہ شمالی یوروپ میں سیاست اور فلسفہ کے مد مقابل اصلاح کے دور جدید کے بعد، اس تحریک کا ظہور ہوا، یہ تحریک درحقیقت انگلینڈ اور ہالینڈ میں دینی معرکہ آرائیوں کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی۔

بعدہٗ اس کا اطلاق ثقافتی اور اجتماعی میدان کی مشکلات کے حل کرنے پر ہونے لگا، ''لبرل ازم'' کی اصطلاح اس مخصوص اطلاق کے باوجود خاصی غامض ہے، اس کی تہہ میں مختلف قسم کے رموز ہیں، جو ''لبرل ازم'' کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر میں بھی پائے جاتے ہیں۔

''لبرل ازم'' کی نشو ونما اولاً کلیسا اور جاگیردارنہ نظام کے مظالم کے تئیں ردعمل کے طور پر ہوئی، پھر ہر ملک میں ایک مخصوص صورت اختیار کرتا چلا گیا بالخصوص انگلینڈ، امریکہ اور فرانس جیسے مغربی ممالک کے انقلابات کے بعد لبرل ازم کی تحریک زیادہ طاقت کے ساتھ ابھری [2]۔

ارباب کلیسا نے علماء طبعیات و محققین کی تکفیر کی اور مسیحی دین کے لیے ان کے خون بہانے کی اور ان کے مال و متاع کو ضبط کر لینے کی اجازت دی، احتساب کی عدالتیں قائم ہوگئیں، محکمۂ احتساب نے جن لوگوں کو سزائیں دیں ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں جن میں بتیس (۳۲) ہزار کو زندہ جلا دیا، گیا طبعیات کا مشہور عالم برونو (BRUNOE) بھی انھیں میں سے ہے جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرہ ارضی کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، مشہور طبعی عالم گلیلو (GALILIO) کو اس بناء پر سزائے موت دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا [3]۔

---

[1] المعجم الفلسفی: ۱/۴۶۵۔ [2] نشأة الليبراليه و تطورها: ۴۹، اتجاهات الليبراليه: ۱۱۲۔
[3] اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔

لبرل ازم کی فکری بنیادیں

(۱) جیسا کہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا کہ لبرل ازم، افراد انسانی کی مکمل آزادی کو علمبردار ہے اس کے اعمال وتصرفات اور افکار ونظریات سب میں ہے کہ حکومتوں کی اولین ذمہ داری بلکہ ان پر فرض ہے کہ افراد انسانی کی آزادی کے تحفظ، اور اس کی توسیع کے لیے جدوجہد کریں، ان کے حقوق کو مضبوط سے مضبوط تر اور ان کے اختیارات کو مستحکم کرنے کی سعی کریں، افراد انسانی کو جبر واستبداد، اور اجتماعی مظالم کا مقابلہ کرنے کے لیے انسانوں کو قابل قدر تحفظات فراہم کریں، اور ان کو ہر ممکن تعاون دیں۔

شہری آزادی کو ''لبرل ازم'' ایک سیاسی موضوع کی حیثیت سے دیکھتا ہے جس میں، افراد اور ملک، اور افراد کا باہمی تعلق، بطور خاص ملحوظ ہے اس نقطہ نظر سے ''حریت'' ایک عملی اور واقعی علامت کی حامل ہے شہری آزادی، لبرل ازم کے یہاں قانون کے ساتھ مقید ہے اور قانون ہی کے ساتھ مفید بھی ہے، کیونکہ انسانی سماج کے لیے قانون ضروری چیز ہے۔ اس کی فطرت ہی قانون پر ڈھالی گئی ہے، سماج کا قیام اور اس کے روابط کی تنظیم قانون ہی سے ممکن ہے، مگر قانون کی صورت ''لبرل ازم'' کے مناہج میں مختلف ہے۔

چنانچہ ''لبرل ازم'' کے ماننے والوں کے یہاں وہی قانون معتبر ہوگا جس کا مبدأ خود افراد انسانی ہوں، اگر یہ قانون باہر سے ان پر ٹھونسا گیا تو ان کے لیے مفید کے بجائے مضر ہوگا، اسی طرح لبرل افکار کے علمبردار قوانین کے آحاد (اکائیوں) ان کی منہجیت، اور تشریع (قانون سازی میں) میں بھی اختلاف رکھتے ہیں [1]۔

(۲) فردیت: یہ ترقی پذیر عہد کی بنیادی علامت ہے جو عہد وسطی کی فکر کے ردعمل کے طور پر ظاہر ہوئی۔ ''فردیت'' کے دو مختلف مفہوم لیے جاتے ہیں:

(۱) ''فردیت'' بمعنی اَنانیت، حب ذات، فردیت کے یہی معنی لبرل ازم کے نشو و

---

[1] الطریق الی العبودیة: ۸۶۔

نما کے زمانہ سے بیسویں صدی تک مغربی فکر پر غالب رہے۔

(۲) ''فردیت'' کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ فرد عملی جدوجہد کے دوران کلیۃً آزاد اور مختار رہے۔

(۳) عقلانیت: عقلانیت کے معنی یہ لیے گئے ہیں کہ عقل بشری، مصالح اور منافع کے ادراک میں آزاد ہے، کسی خارجی قوت کی محتاج نہیں ہے لبرل ازم میں ''عقلانیت'' کے مظاہر درج ذیل ہیں:

(۱) فرد کے بنیادی حقوق قانون طبعی کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور قانون طبعی ایک مادی قانون ہے، جس کو لبرل فکر ایک فلسفیانہ بنیاد کے طور پر دیکھتی ہے، جس سے سیاست اور معیشت کا ارتباط بھی لازمی ہے۔

(۲) حکومت فرد کے مذہبی اعتقادات اور افکار کے سلسلہ میں غیر جانبدار بلکہ اس معاملہ سے کلیۃً یکسو اور لاتعلق رہے، کیونکہ آزادی کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے تجربہ کے دوران اپنی عقل کے ذریعہ حقیقت اور نتیجہ تک پہنچے، کسی اور پر یقین نہ کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان تجربہ سے پہلے عام طور پر کلیات عامہ اور اکثر اشیاء کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے، اس صورت میں عقل کے ذریعہ ذاتی تجربہ ہی اہم ہوگا، کسی خارجی قانون یا کسی دوسرے کی رائے پر اطمینان یا انحصار کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مغربی ممالک میں لبرل ازم کی سرگرمیاں

(۱) **دینی انحراف**: مسیحی دعوت کا ظہور رومی شہنشاہیت کی مشرقی نوآباد ریاست میں ہوا، شہنشاہیت روما، جو درحقیقت ''بت پرستی'' میں یقین رکھتی تھی، اس کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف انھیں چیزوں پر ایمان لانا چاہیے جو ہمیں محسوس ہوتی اور نظر آتی ہیں اسی طرح جسمانی تعیّشات اور شہوت رانیوں کی اتباع اس کے یہاں عقیدہ و مذہب کا حصہ تھا[1]۔

[1] التاریخ الیونانی: ۱۹۵، ۱۹۶، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ۱۵۷، ۱۵۸

رومیوں نے دین جدید کے متبعین کا مقابلہ، مظالم اور جبر وتشدد سے کیا اور اس سلسلہ میں ان کی مدد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں سے کینہ اور بغض رکھنے والے یہودیوں نے کی۔ جس کی وجہ سے عیسائی مذہب کے متبعین بھاگنے اور اپنے دین کو چھپانے پر مجبور ہوئے نصرانیت نے ان سخت ترین احوال میں زندگی بسر کی اور ظلم واستبد، ادجلا وطنی قتل اور سزاؤں کی فضا میں متبعین مسیح پروان چڑھتے رہے، رومی یہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے ان کے پیغمبر کو سولی دے کر اور قتل کر کے دین مسیح کا قلعہ قمع کر دیا ہے، اور یہودی اس صورت حال کا فائدہ اٹھا کر دین مسیح میں تحریف وتبدیل کے ذریعہ ایک خطرناک کام انجام دیتے رہے، ٹھیک اسی وقت شاول نامی ایک یہودی نصرانیت میں داخل ہوا، جو پہلے نصاریٰ کا دشمن اور ان پر ظلم واستبداد کے ذریعہ جانا جاتا تھا، پھر یہ اچانک نصرانیت میں داخل ہوا اور اس نے اپنا نام ''بولس'' رکھا۔

انگریزی مورخ ویلس لکھتا ہے:

''اسی وقت ایک دوسرا بڑا معلم ظاہر ہوا جس کو بہت سے عصری ناقدین نے مسیحیت کا حقیقی مؤسس قرار دیا ہے وہ شاول طرطوسی یا بولس ہے''۔

راجح یہ ہے کہ وہ (شاول طرطوسی یا بولس) یہودی نژاد تھا اگرچہ یہودی کی بعض کتابیں اس حقیقت کا انکار کرتی ہیں، مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اس نے یہودی اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ اپنے مذہب کے عقائد کا بڑا عالم تھا[1]۔

بہر حال، ''بولس'' یا ''شاول طرطوسی'' کے ذریعہ نصرانی مذہب میں بڑی بڑی تحریفات نے جنم لیا۔

(۲) **سیاسی استبداد**: عہد وسطی کے یوروپی سماج میں جو سیاسی نظام کارفرما تھا وہ جاگیردارانہ نظام تھا، جو ایک ظالمانہ جاہلی نظام تھا، اور یہ نظام انسانی آزادی کی دشمنی اور عداوت کی انتہا پر پہنچا ہوا تھا، یہ نظام رومی شہنشاہیت کے سقوط، بربر قوم کے روم میں داخلہ، مغربی شہنشاہیت کے زوال اور ان سے مربوط ممالک کے بکھراؤ اور تقسیم کے بعد وجود میں آیا[2]۔

[1] معالم تاریخ الانسانیة: ۳/۷۰۵ [2] التاریخ الاروبی: ۱۳

جاگیردارانہ نظام کا ظہور واضح طور پر یوروپ میں آٹھویں صدی ہجری کے بعد ہوا، جب شاہانہ نفوذ بڑھ گیا اور مرکزی حکومتیں زوال پذیر ہوگئیں، اس سے مغربی یوروپ میں ایک نئی سیاسی صورت حال پیدا ہوئی، جس میں حکمراں تو ضرور تھے مگر عملاً کوئی اختیار ان کے پاس نہیں تھا، ملکی وحدت چھوٹے چھوٹے صوبوں میں پارہ پارہ ہوکر رہ گئی تھی جن کے حکمراں ''راجاؤں'' کی صورت میں تھے، اور یہ کسانوں اور کاشتکاروں پر پوری طرح حکمرانی کرتے تھے۔

جاگیردار نظام تین طرح کے تھے: (۱) کلیسا کے اجارہ دار (۲) خودساختہ راجے مہاراجے (۳) بادشاہ، یہ تینوں ہی عوام پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے تھے، مظلوم زیادہ تر کاشت کار ہوتے تھے۔

''لبرل ازم'' کے وجود میں دینی انحراف اور سیاسی استبداد کا بڑا رول رہا ہے، کیونکہ اس صورت حال نے یوروپی معاشرہ کو اپنا غلام بنالیا تھا، اور افراد کی آزادی کو کچل کر عبودیت اور غلامی کی انتہاء پر پہنچا دیا تھا، افراد کی آزادی پر اس شب خون کے نتیجہ میں قدرتی طور پر اس کے بالکل برعکس ایک نئی فکر نے جنم لیا، شروع میں اس فکر کا ہدف محض دینی وسیاسی اور اقتصادی قیود سے چھٹکارا پاکر آزادی کی وسیع فضا تک رسائی تھی، ایک نئے معاشرہ کی تعمیر کے لیے کوئی بلند نگاہی اور واضح تصور اس کے پاس موجود نہیں تھا اس سے ''لبرل ازم'' کی تفہیم اور تطبیق کے بارے میں کافی وضاحت ہوتی ہے۔

یوروپ میں ''لبرل ازم'' کے تئیں فکری تحوّلات

''لبرل ازم'' کے تئیں یوروپ میں فکری تحوّلات کا عہد ارتقا چودہویں صدی سے سترہویں ہجری صدی تک کے عرصہ پر محیط ہے، جس کی ابتداء اٹلی کی ادبی تحریک سے ہوتی ہے، یہ تحریک مبالغہ پسندانہ آداب کے احیاء سے تعلق رکھتی تھی دینی واجتماعی احوال واوضاع سے اس کا کوئی سروکار نہیں تھا، اس کے بعد ایک دینی تحریک نے جنم لیا، جس نے مغربی معاشرہ کو بری طرح ہلاکر رکھ دیا، ادبی تحریک کی بہ نسبت ''لبرل تحریک'' کا زیادہ زور تھا، اس تحریک

نے تحرّر (آزادی) کا تقریباً آدھا راستہ طے کرلیا، اس کے آثار میں سے ایک تجربی فکر کا نشوونما بھی تھا جس نے علماء طبعیات (سائنسدانوں) کو مغربی معاشرہ میں جدید کائناتی نظریات تک پہنچادیا، یہ فکری تحوّلات آزادی کے انقلابات پر منتج ہوئے، بالخصوص انقلاب فرانس پر، جس نے یوروپ کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا۔

لبرل ازم کی جولانگاہیں

بنیادی مفہوم کے طور پر ''لبرل ازم'' کا پورا زور حریت فردیہ پر ہے لیکن اس کا سامنا انسان کی طبعی حالت سے ہوتا ہے، کیونکہ انسان طبعی طور پر اجتماعیت پسند واقع ہوا ہے اور اجتماعیت پسندی کی ایک واضح صورت انسان کی سیاسی زندگی ہے اس لیے لبرل ازم کے سیاسی افکار میں افراد انسانی کی آزادی کے تحفظ اور ان کی شوؤن سیاسیہ کی تنظیم کی جدوجہد اولیت کا درجہ رکھتی ہے، ''لبرل ازم'' میں فرد اور جماعت کے درمیان ربط وعلاقہ کا مسئلہ ایک سیاسی مسئلہ ہے، اور تمام ہی لبرل فکر کے علمبرداروں کے مابین جو چیز ایک مشترک اساس کے طور پر جانی جاتی ہے، وہ ''حریت فرد'' کی ضمانت ہے، اس میں عدم مداخلت اور معاشرہ کی سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اس طرح تنظیم ''کہ حریت'' سے پوری طرح ہم آہنگ اور اس کے بنیادی مفاہیم سے بغلگیر ہو، البتہ معاشرہ کی تنظیم کے طرقِ کار میں لبرل ازم کے ماننے والے بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں کہ ''حریت فرد'' میں مداخلت کی اجازت کہاں تک ہے اور کہاں نہیں ہے؟ اس اختلاف کی بنیاد درحقیقت ''حریت'' اور ''مساوات'' کے مفہوم میں بڑی حد تک جوٹکراؤ اور تصادم ہے، اس کو دور کرنے کی سعی ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ تنہا ''حریت فرد'' مساوات کے لیے مضر ہے اور کامل درجہ کا مساوات حریت فرد کے لیے ضرررساں ہے، اسی لیے ان میں سے بعض نے ''حریت'' کے پہلو پر توجہ مرکوز کی ہے جو ان کی فکر میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور حکومت کی مداخلت کو اس سلسلہ میں مسترد کیا ہے، حتی کہ حاجت مندوں اور تنگدستوں کی اعانت کی سطح پر بھی حکومت کی

کسی قسم کی مداخلت کو ناگوار تصور کیا ہے، اسی طرح ماحولیات کے تحفظ کا مسئلہ بھی ہے جب کہ کچھ دوسرے لبرل فکر کے حاملین نے ''حریت'' کے مقابلہ میں ''مساوات'' کے پہلو کو زیادہ اجاگر کیا ہے، انہوں نے ''مساوات اجتماعیہ'' کے مصالح کے پیش نظر ''حریت'' کی تحدید کا مطالبہ کیا ہے کہ مطلق حریت اجتماعی مساوات کے مصالح کے خلاف ہے اس لیے حد بندی ضروری ہونی چاہئے کہ فرد کہاں تک آزاد ہے؟ اور کہاں قانون کا پابند؟

اسی طرح حکومت سازی کی صورتوں میں بھی اختلاف ہے، ایسے ہی فرد کے لیے خاص دائرہ میں مشروع اور ممنوع مداخلت کی شکلوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

لبرل ازم کا سیاسی مطمح نظر، اجتماعی معاہدہ کا نظریہ، حکومت کا افراد سے تعلق، افراد کے بنیادی حقوق اور اختیارات کی تقسیم، بایں معنی کہ وہ حریت فرد کی اہم ضمانات میں سے ہے، معاشرہ کے افراد پر اختیارات کی حدود، اور آزادیٔ اظہار کی تشکیل۔ یہ سب چیزیں لبرل ازم کے سیاسی نظریہ کے رموز ہیں۔

(۱) **اجتماعی معاہدہ کا نظریہ**: یوروپی فکر میں حاکم محکوم اور ملک و افراد کے مابین معاہدہ کے وجود کی فکر کا اصل ماخذ و مرجع، فلسفۂ یونان و فلسفۂ روم ہے بیشتر فلاسفہ نے حکومت کے تصور اور معاہدہ کی بنیاد پر گفتگو کی ہے یونانی فکر یہ ہے کہ لوگ قدیم زمانہ سے بغیر کسی قانون کے زندگی بسر کرتے آرہے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتا تھا جس سے بدامنی، بے سکونی اور خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوتی تھی، اس لیے اہل یونان نے آپس میں ایک معاہدہ کیا تا کہ وہ اس کی پابندی کر کے ایک دوسرے پر دست درازیوں سے نجات پا سکیں اور ایک فلسفیانہ نظام وضع کیا تا کہ وہ اس کو اختیار کر کے انتشار سے نجات پا سکیں[1]۔

(۲) **فرد کے بنیادی حقوق**: لبرل ازم میں قانون طبعی انسانی حقوق کے لیے ایک قاعدہ، اور مرجعیت کا حامل ہے، اسی طرح قانون طبعی افراد کے لیے قانون سازی کی

۱ تراث الانسانیة، العقد الاجتماعی: ۱/۵۷۴

ایک اہم بنیاد ہے، جس کی تشکیل محدود اور متعین مادوں پر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو بھی قانون اور عدالتی حکم انسان کے بنیادی حقوق کے مخالف ہوگا وہ لغو اور بے قیمت ہے، کیونکہ انسانی حقوق ہی قانون سازی کی بنیاد ہیں، اگر کوئی قانون اپنی بنیاد کے خلاف ہو تو اس کی کیا حیثیت اور وقعت ہوگی؟ لہٰذا حقوق قانون پر مقدم بھی ہوں گے اور قانون سے بالاتر بھی[1]۔

چنانچہ ۲۶/ اگست ۱۷۸۹ء میں ''انسانی حقوق'' کا اعلان ہوا، اور ۱۷/ ستمبر ۱۷۸۷ء میں انسانی حقوق سے متعلق امریکی دستور سامنے آیا، اس کے بعد اقوام متحدہ نے ''انسانی حقوق'' کے نام سے ۱۹۴۸ء میں امریکی دستور کو اپنے لئے بطور ماڈل تسلیم کیا، جس میں آزادی کا حق، زندگی گزارنے کا حق، کام کرنے کا حق، فکر و رائے کا حق، عقیدہ کا حق، اور شخصی آزادی وغیرہ کا حق شامل ہیں۔

(۳) **اختیارات کی تقسیم**: سیاسی آزادی کے لیے ایک بڑی ضمانت کے طور پر ''لبرل ازم'' کے سیاسی نظام میں، اختیارات کی تقسیم کی ضرورت پیش آئی قانون سازی، تنفیذی قوت اور عدلیہ ان میں سے ہر ایک اپنے دائرہ میں خود مختار ہو، کوئی کسی دوسرے کے دائرۂ عمل اور حدود کار میں نہ دخیل ہو، نہ مزاحم، ظاہر ہے کہ جب اختیار ایک ہی کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ ظلم و زیادتی کا سبب بنے گا[2]۔

(۴) **فرد پر معاشرہ کے اختیار کی حدود**: فرد کا وہ طرز عمل اور برتاؤ جس کی رعایت معاشرہ کے دوسرے افراد کے لیے لازمی ہے۔

(۵) **دوسرے کے مصالح کو نقصان نہ پہنچانا**: یہ انسان کے بنیادی حقوق میں ہے خواہ اس کا ذکر قانون کے مسودہ میں صراحۃً ہو یا ضمناً، رعایت بہر صورت لازمی ہے۔

(۶) **فرد اپنے حصہ کا وہ بوجھ اٹھائے**: جو اس پر معاشرہ کے

۱ الوجیز فی النظریات و الانظمة السیاسیة: ۳۳۱

۲ تراث الانسانیة، روح القوانین: ۱/۷۰۹

دفاع کی خاطر اور اپنی حفاظت کے لیے فرض ہے۔ اور معاشرہ کا حق یہ ہے کہ ان دو باتوں کو (معاشرہ کا دفاع اور اپنی حفاظت) اپنے افراد پر فرض کرے، جب بھی وہ ان دو باتوں سے بھاگنے کی کوشش کریں ان پر لادے[1]۔

(۷) **جب افراد کے طرز عمل سے دوسروں کو نقصان پہنچنے لگے**: یا کسی واجب شئ کو چھوڑنے لگیں، تو افراد کی سرزنش رائے عام سے جائز ہوگی نہ کہ قانون سے۔

یہاں فرد کا ایک دائرۂ کار ایسا بھی ہے جس میں معاشرہ کی راست طور پر تو کوئی مصلحت نہیں ہے البتہ بالواسطہ مصلحت ہے، یہ دائرہ کار، ایک شخص کا زندگی اور اس کے اس برتاؤ کا ہے کہ جس کا اثر اس کی ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں پڑتا، یہاں تک کہ اگر وہ دوسروں پر ان کی رضا ور غبت سے اثر ڈالے بغیر کسی جبر اور دھوکہ دیئے، تو یہ شخصی آزادی ہی کے ضمن میں آئے گا، کہ جس کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ''آزاد معاشرہ'' نہیں کہلائے گا۔

(۸) **حریت فکر و حریت رائے**: لبرل ازم کا ایک لازمی انسانی ضرورت کی قدر و قیمت کے طور پر بنیادی میدان کار اور بنیادی اصول ''آزادی'' ہے، اسی لیے حکومتوں کے فرائض اور ذمہ داریوں میں ہے کہ ہر قسم کی آزادی کی حفاظت کریں، حریت فکر اور حریت رائے حریت کی اہم قسمیں ہیں جو افراد کو حکومتوں کے استبداد و مفاسد سے محفوظ رکھتی ہیں[2]۔

''لبرل ازم'' کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ اختلافات کی وسعت اور آراء و افکار کا تعدد ایک مثبت حقیقت ہے، جو فکر میں رسوخ اور رائے میں قوت پیدا کرتی ہے، ان کے نزدیک ''حریت فرد'' کے لوازم میں سے ہے کہ آدمی بلا اختلاف کسی شئ پر یقین نہ کرے، اس نقطۂ نظر سے یقین و ایمان ''لبرل فکر'' کے منافی اور مخالف ہے، ان کے نزدیک پہلی فرصت

۱ حقیقة اللیبرالیه و موقف الاسلام منها:۵۵

۲ الحریة:۳۷

میں کسی چیز پر بلا اختلاف و مناقشہ یقین کر لینا یہ حریت فکر کا دروازہ بند کرنا ہے۔ جو ان کے نقطۂ نظر کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا مذہبی معتقدات، ان کے نزدیک معتقد کو اپنے عقیدہ میں پُر جزم متصلب اور متعصب بنا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے ایک متدین، دوسرے متدین کے اعتقادات کو باطل قرار دیتا ہے۔ لبرل ازم کا یہ نظریہ اسلامی نظریہ سے متصادم ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں ہم اس کی وضاحت کریں گے۔

''حریت فکر'' کے لوازم میں سے ایک لازمی امر ''لبرل ازم'' میں ''دینی تسامح'' ہے جس کا مطلب ''لبرل ازم'' کے ماننے والوں کے نزدیک یہ ہے کہ ایک انسان کو اپنی رائے، یا اپنی فکر، یا اپنے مذہب اور دین پر یقین نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اعتقاد لبرل فکر میں ''تسامح فی الفکر'' کے منافی ہے اس سے دوسرے کے اعتراف، افکار میں عدم جزم اور فریق مخالف کے صحت و صواب پر ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ان کے یہاں حریت فکر کے لوازم میں سے ہے۔

لبرل ازم کے علمبرداروں کا یہ موقف دین کے تمام ہی بنیادی عقائد کو شامل ہے جیسے ایمان باللہ، یوم آخرت انبیاء و ملائکہ وغیرہ پر ایمان، ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) ایک غلط چیز ہے اس سے ''حریت فکر'' کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اقتصادی لبرل ازم

لبرل ازم کا تفصیلی اور معروضی جائزہ بتاتا ہے کہ لبرل ازم میں اقتصادی پہلو سیاسی پہلو کی بہ نسبت کثیر الجوانب اور زیادہ اہم ہے، لبرل فکر رکھنے والوں کے یہاں مالکان کو اپنے مالی حقوق میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہے اس میں کسی خارجی قانون کی مداخلت یا حکومت کی مزاحمت آزادئ حقوق کے یکسر منافی ہے اس اعتبار سے لبرل ازم، اور سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) کے مابین ایک فکری رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے، اسی طرح جدید سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام میں بھی فکری معرکہ آرائی کا میدان گرم ہو جاتا ہے۔

لبرل ازم کے قدم اسلامی دنیا میں

یوروپ کے ترقی پذیر عہد میں اکثر اسلامی ممالک حکومت عثمانیہ کے تحت تھے، عثمانی حکومت پوری طرح شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم تھی، اسلام کی حمایت وحفاظت، علوم دینیہ کی اشاعت، علماء کا احترام امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر حکومت کی ترجیحات اور فرائض میں شامل تھا، جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد جاری تھی جس کے نتیجہ میں یوروپ کے بہت سے حصے حکومت عثمانیہ کے ذریعہ مفتوح اور دائرہ اسلام میں آ چکے تھے۔

''لبرل ازم'' اسلامی ممالک میں چند ایسی خفیہ تنظیموں کے ذریعہ درآمد ہوا، جو مغربی فکر سے متأثر تھیں، اور مغرب کی مادی تہذیب نے ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا تھا، باقی امت مسلمہ اپنے دین پر ثابت قدم رہی یوروپ کے افکار اور نظام کی محتاج نہیں ہوئی، اپنے دین پر اسے فخر اور اس کی صحت پر پورا پورا اعتماد، اور ہر زمان ومکان میں اس کے احکام واعمال کی صلاحیت پر مکمل بھروسہ تھا[1]۔

لیکن بدقسمتی سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ جنہوں نے اپنے مومن پر امت کے اعتماد کو کمزور کر دیا، اور اسلامی معاشرہ کو ''لبرل ازم'' کے اپنانے اعتقادی انحراف، اور اس کا سامنا نہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

ان اسباب میں اعتقادی انحراف سیاسی استبداد اور مغرب کی تقلید وغیرہ تھے یہ چیزیں ملت اسلامیہ میں لبرل ازم کے وجود کے راست طور پر اسباب تو نہیں تھے، البتہ ان اسباب نے ''لبرل ازم'' کو بخوشی اپنانے اور اس پر سکوت اختیار کرنے کے لیے زمین ہموار کی، اور مناسب ماحول تیار کیا۔

اس میں شک نہیں کہ عالم اسلام میں لبرل ازم کے داخلہ کا راست سبب استعماری طاقتیں اور ان کے دم چھلے تھے، اور اگر ان تمام اسباب کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ لفظ

[1] (كيف تسلّلت الليبرالية إلى العالم الاسلامي . انٹرنیٹ:Www.saaid-net)

''انحراف'' ہے جو جملہ اسباب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اور یہ ''انحراف'' فرق ضالہ جیسے مرجئہ، صوفیہ اور مذہبی مبلغین کے ہاتھوں وجود میں آیا، اس کے بعد استعماری طاقتوں نے ان فرقوں سے بدترین فائدہ اٹھایا اور اپنے مقاصد کے لیے ان کو استعمال کرنے میں کامیاب ہو گئے، جب اسلامی ممالک پہ سامراج کا تسلط ہوا تو استعماری قوتوں نے ان ممالک کے سیاسی واقتصادی نظام میں لبرل ازم کو نافذ کر دیا، پھر جب قابض قوتوں نے محسوس کیا کہ مسلمان ہر ایسی چیز کو قبول نہیں کر رہے ہیں جس کا اسلام سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ ہو تو اسلام کو ''ماڈرنائز'' کرنے کی ایک نئی فکر سامنے آئی، اور اسی فکر سے ''اسلامی لبرل ازم'' کا جواز نکال لیا گیا۔

عالم اسلام میں لبرل ازم کے ظہور کے اسباب

ارتکاب معصیت امت مسلمہ کی کمزوری، پسماندگی، انحطاط، اور بدحالی کا ایک طاقتور اور بنیادی سبب ہے معصیت کی تاثیر ایک حقیقت شرعی اور سنت ربانی ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت کے لیے مقدر کیا ہے، اور یہ تاثیر ارتکاب معصیت کے نتیجہ میں بطور سزا ہمیشہ مصیبت کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ'' (الرعد:۱۱) بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلے، دوسری جگہ ارشاد ہے: ''ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ'' (الانفال:۵۳) یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالیں۔

امت مسلمہ میں ضعف واضمحلال اور پستی اور منحرف اصول ومبادی کو قبول کرنے کے جراثیم عقائد اور تصورات دین میں تغیر وتبدل کے بعد پیدا ہوتے ہیں، اسی حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا: ''إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَ

رَضِیتُم بِالزَّرْعِ وَتَرَکْتُمُ الْجِهَادِ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ ذُلًّا لایَنْزِعُهُ حَتّٰی تَرْجِعُوْا إِلٰی دِیْنِکُمْ‘‘[۱]

(جب تم بیع عینہ کرتے رہو گے، گائے کی دم پکڑے رہو گے، چو پایوں کے پالنے پوسنے میں لگ جاؤ گے، کھیتی کرنے پر راضی ہو جاؤ گے، اور جہاد کو ترک کر دو گے، اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، اس وقت تک ذلت کو تم سے الگ نہیں کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ کر نہ آ جاؤ گے) یہاں ذلت، کا سبب ’’انحراف‘‘ کو بتایا گیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ’’یُوْشِکُ الْأُمَمُ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعٰی الْأَکَلَةُ عَلٰی قَصْعَتِها، فَقَال قَائِل: وَ مِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ؟، قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ کَثِیْرٌ وَ لٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغثاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمْ الْمَهَابَةَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِکُم الْوَهْنَ، فَقَالَ: قَائِلٌ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ مَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبّ الدُّنْیَا وَ کَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ‘‘[۲]

عنقریب امتیں تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے کھانے پر، کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ: کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: تمہاری تعداد زیادہ ہوگی، لیکن تم پانی کے بہاؤ پر جھاگ کے مانند ہو گے، (بے حقیقت اور کمزور) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت اور ڈر کو نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں ’’وھن‘‘ ڈال دیں گے۔ کہنے والے نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ’’وھنٌ‘‘ کیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے ناگواری۔

---

[۱] رواہ ابوداؤد کتاب الاجارة باب النهی عن العینة رقم:۳۴۶۲ج۳/ص۵۱۸، مسند احمد: ۲/۲۸، بیهقی فی السنن الکبری کتاب البیوع باب المزابنة :۵/۳۱۶،طبرانی فی معجم الکبیر رقم:۱۳۴۰۸ج۱۱/ص۶۳

[۲] رواہ ابوداؤد کتاب المالحم باب تداعی الأمم علی الاسلام رقم: ۴۲۹۷ج۵/ ۳۸،مسند احمد: ۵/ ۲۷۸،بیهقی فی دلائل النبوة باب اخبارة بتداعی الاسلام علی من شاء الله من امته اذا ضعفت فیهم: ۶/۵۳۳۔۵۳۴

امت مسلمہ نے عقیدہ و عمل اور سیرت و سلوک میں جب تک اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا دشمن کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کو کسی بھی طرح سے نقصان پہنچا سکے، اس پر کسی قسم کا اس پر غلبہ و تسلط قائم کر سکے، دین اسلام کی پاکیزہ تعلیمات، اور اس پر عمل کی برکت سے ہزیمت و مغلوبیت، شکست خوردگی، اور ذلت و مسکنت اس سے کوسوں دور رہی اور ایمان باللہ کی طاقت، اور اس کی ذات وصفات پر مضبوط عقیدہ نے اس کے قدموں کو صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہیں دے، عام اسلامی زندگی میں ’’انحراف عقیدہ‘‘ کی حقیقت اور اس کے گہرے اثرات کی وضاحت ذیل کے نقاط سے ہوسکتی ہے۔

(۱) فرق باطنیہ منحرفہ اور ان کے گمراہ کن عقائد و نامبارک اثرات

’’باطنیہ‘‘ ایک ایسا لفظ ہے جس میں کافرانہ عقائد کے بیشتر فرقے آجاتے ہیں اگر چہ بظاہر وہ اپنا انتساب اسلام ہی کی طرف کیوں نہ کرتے ہوں، ان میں بطور خاص اسماعیلہ، نصیریہ، دروزی، قادیانی، بہائیا اور روافضی آتے ہیں جو ماضی قریب میں نمودار ہوئے، ان فرقوں کے عقائد کا تفصیلی ذکر یہاں مقصود نہیں ہے، ان کے آثار و اثرات کا ذکر کافی ہوگا۔

ان فرقوں نے اہل اسلام میں کافرانہ عقائد کو پھیلایا اور ان پر ’’اسلامی عقائد‘‘ کا لیبل لگائے رکھا، ان کا یہ دعویٰ کبھی نہیں رہا کہ وہ اسلام سے ہٹ کر کوئی مستقل مذہب یا فکر رکھتے ہیں بلکہ اس کے برعکس خود کو مسلمان بتاتے رہے حالانکہ ان کے عقائد اور اسلام میں کھلا ہوا تناقض ہے۔

(۲) مسلمانوں میں تفریق

ان فرقوں نے اہل اسلام کی صفوں میں تفریق پیدا کی، ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ناپاک سعی اور انتشار اور اختلاف کی تخم ریزی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا، ان کی پشت پناہی ہمیشہ اسلام دشمن حکومتیں، تحریکیں، اور تنظیمیں کرتی رہیں اور یہ فرقے اسلامی معاشرہ میں خانہ جنگی، کشمکش، بدامنی، اور بحران کی کیفیت پیدا کرتے رہے، انھوں نے اسلامی

ممالک کو اپنی ناپاک سازشوں اور مکاریوں کے دفاع میں مشغول کر کے، ترقی واستحکام کے مواقع سے محروم رکھا[1]۔

(۳) دشمنانِ اسلام کا تعاون

یہ فرقے اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور نقصان پہنچانے میں، یہود و نصاریٰ کی مدد کرتے رہے، سامراجی طاقتوں کے اسلامی ممالک پر تسلط میں ان فرقوں کا بھرپور تعاون اور انتہائی گھناؤنا کردار رہا ہے، جس وقت فرانس نے شام پر قبضہ کیا تو مسلمانوں نے فرانس کے خلاف جہاد کیا، نصیری فرقہ نے اس وقت فرانس کی غاصب حکومت کا ساتھ دیا اور ابراہیم ہنانو اور دوسرے شامی مجاہدین کی مخالفت کی[2]۔

فرانسیوں نے شام پر قبضہ کے بعد ''نصیریوں'' کے احسان کا بدلہ چکانے کے لیے ''دولۃ العلویین'' کے نام سے مستقل ایک ریاست ہی قائم کی اور اس کی حکمرانی ''نصیریوں'' کے سپرد کی[3]۔

''نصیریوں'' نے دولت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے فعال کردار ادا کیا چنانچہ صالح علی جو نصیریوں کا لیڈر تھا اس نے کمال اتاترک کی خلافت کے زوال کے لیے پوری طرح فرانس کا ساتھ دیا۔ اور ترکی مجاہدین اسلام کی سخت مخالفت کی اسی طرح حسن علی شاہ (۱۲۱۹۔۱۲۹۸ھ) جو اسماعیلی جماعت کا ایک سرگرم فرد تھا، یہ اپنی آنکھوں میں ایران پر حکومت کا خواب لیے ہوئے تھا، اس نے ایران میں انگریز کی مدد سے ایک انقلاب لانے کی کوشش کی، جو ناکام ہوگئی، اور اس کو زنداں میں ڈال دیا گیا، رہا ہونے کے بعد اس کو ''اسماعیلیہ نزاریۃ'' کا امام بنادیا گیا، اور ''آغا خاں'' کے لقب سے ملقب کیا، ہندوستان میں اسماعیلیہ فرقہ کے لوگ اس کے آگے پیچھے

۱ الانحرافات العقدیة العلمیة:۵۶۴،۵۶۶

۲ الأعلام:۱/۴۱،۴۲

۳ دراسة عن الفرق : ۲۵۸، الحرکات الباطنیه فی العالم الاسلامیة:۳۳۴

پھرنے لگے۔ (دوسرے باطنی فرقوں کی طرح)[1]۔

''دروزی'' فرقہ نے صلیبی سامراج کی اہل اسلام کے علی الرغم مدد کی یہاں تک کہ اس فرقہ کے لوگ اسرائیلی فوج میں آج تک موجود ہیں، اور انھیں میں سے ایک شخص اسرائیل کا وزیر دفاع بھی رہ چکا ہے[2]۔

''روافض'' کے عقائد اکثر ''باطنیہ'' سے ملے جلتے ہیں اگرچہ ''اسماعلیہ'' اور ''نصیریۃ'' کی بنسبت ان میں غلو کم ہے، تاہم یہ بھی ''باطنیہ'' میں داخل ہیں کہتے ہیں کہ نصوص شرعیہ کو ظاہر اور باطن دونوں طرح سے دیکھا جانا چاہیے، اور دونوں کے جدا جدا مفاہیم اخذ کرنے کی پوری پوری گنجائش ہے۔ (جیسا کہ شیعۃ ''اثنیٰ عشریۃ'' کی کتابوں میں ہے) ابتداء میں ان کی اکثر کتابیں غیر مطبوعہ تھیں، اب ایران وغیرہ سے چھپ چکی ہیں جن سے ''روافض'' کے ان عقائد کا پتہ چلتا ہے، جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں، روافض نے بھی ''اہل السنّت والجماعت'' سے بدلہ لینے کے لیے، استعمار کا ساتھ دیا[3]۔

اسی طرح ایران کے تخت حکومت تک پہنچنے کے لیے انہوں نے انگریز کا تعاون کیا، یہ لوگ اہل السنّت والجماعت کو کمزور کرنے اور کچلنے کے لیے اس وقت بھی عراق میں امریکی مداخلت، عراقی شہریوں کے قتل عام میں امریکہ کا بھرپور تعاون کررہے ہیں، جیسا کہ سب جانتے ہیں۔

''بہائی'' اور ''قادیانی'' فرقوں کے عقائد فاسدہ ملتے جلتے اور انتہائی خطرناک نتائج کے حامل ہیں، اس سے اہل اسلام کو بڑا نقصان پہنچا، انہوں نے بھی ہمیشہ استعماری اور صلیبی طاقتوں کا ساتھ دیا اور ان کا دفاع کرتے رہے، رعایتیں حاصل کرتے رہے۔ تفصیلی معلومات کے لیے اردو عربی میں اہل حق کا وہ لٹریچر دیکھا جاسکتا ہے جو ہر جگہ دستیاب ہے[4]۔

''مرجئہ'' کے خطرناک عقائد کا اثر مسلمانوں کے عقائد اور زندگی پر سب سے

۱ دراسة عن الفرق:۲۳۹ ۲ بحواله سابق :۲۳۹

۳ الانحرافات العقیدیة والعملیة ۵۷۸،۵۸۲

۴ عقیدہ ختم النبوۃ، احمد سعد حمدان

گھرا ہے اور سب سے زیادہ نقصان دہ بھی ، کیونکہ عقیدہ کا اہم مسئلہ ''ایمان'' ہے اسی سے ہدایت اور گمراہی کا فیصلہ ہوتا ہے اور حق و باطل کی معرفت کا معیار ہی ایمان ہے، ''مرجئہ'' کے ہاں ''ایمان'' کے عقیدہ ہی میں انحرافات، مفاسد، اور گمراہیاں پائی جاتی ہیں، لہذا اس کے اعتقادی مفاسد دیگر فرقوں کی بنسبت مسلم معاشرہ پر زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں۔

''اِرجاء'' درحقیقت ''خوارج'' کے غلو کے ردعمل میں سامنے آیا، اور یہ ردعمل ایمان کے رکن اساسی یعنی عمل کو کمزور کرنے کی صورت میں آیا، ''مرجئہ'' ''عمل'' کو ''ایمان'' کا جز نہیں مانتے ہیں، جب کہ خوارج عمل کے بغیر ایمان کا وجود تسلیم نہیں کرتے، ''مرجئہ'' میں سے بعض نے یہاں تک غلو کیا ہے کہ صرف تصدیق ہی ایمان ہے اور اس کے برعکس تکذیب، کفر ہے۔ نہ عمل کا ذکر کرتے ہیں اور نہ زبان سے اقرار کا۔

''مرجئہ'' کے کچھ عقائد

۱- عبادت کے مفہوم کا دل میں سمٹ کر رہ جانا۔
۲- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک۔
۳- امت میں بغیر کسی روک ٹوک کے مظاہر شرک کی درآمد۔
۴- مذاہب منحرفہ کی بیباکی کے لیے جواز پیدا کرنے کا اقدام، اور ان سے بہت سے لوگوں کو اس دلیل سے یہ سوچ کر وابستگی ہوگئی کہ اس سے اصل دین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تصوف اور اس کے آثار

''تصوف'' نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں جنم لیا، اور زیادہ تر فلسفۂ ہنود، فلسفۂ یونان، اشراقیین اور مسیحی زہاد وغیرہ سے کمک حاصل کی۔

ابتدائی فرقوں میں ''متصوفین'' پر ''زنادقہ'' کا اطلاق ہوا ہے[۲]۔

۱ مقدمہ ابن خلدون: ۴۶۷، مجموع الفتاوی: ۱۱/۵
۲ المصادر العامة للتلقی عند الصوفیہ: ۶۲

(محاضرہ کے حوالہ جات کا حاشیہ میں التزام کیا گیا ہے، جس سے قارئین بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ محاضر کا اس محاضرہ کے کسی مثبت و منفی نظریہ کی تردید یا تائید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ محاضر کی نگاہ میں اگر کوئی فقرہ قابل اعتراض بھی ہے تو اس پر تنقید یا گرفت دوسرے حصہ میں لازمی طور پر ہوگی، یہاں تصوف کے تعلق سے جو قابل اعتراض نظریہ آیا ہے، اس پر معقول تنقید دوسرے حصہ میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔

سردست یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہاں تصوف سے کس طرح کا تصوف مراد ہے، اگر وہ تصوف ہے جس کے اندر ہندوازم، رہبانیت اور جاہلانہ تصورات شامل ہیں تو اس میں شک نہیں کہ اس طرح کا تصور محاضر کے نزدیک بھی اوہام اور خرافات کا مجموعہ ہے۔ یہ اگر لبرل ازم کے پھیلاؤ کا ذریعہ بن رہا ہو تو بعید نہیں، البتہ اس طرح کے جاہلانہ روایات کے ملغوبہ کا نام یقیناً اسلامی تصوف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اسلامی تعلیم اس تصوف کی متحمل ہوسکتی ہے۔ تصوف کی صحیح تعبیر تزکیہ نفس اور معیاری تفسیر اصلاحِ باطن اور تعمیر اخلاق ہے)۔ (محاضر)

''لبرل ازم'' کے نفاذ کے لیے استعماری کوششیں اور اثرات

(۱) احکام شریعت کو پس پشت ڈال کر ان کی جگہ قوانین وضعیہ (خود ساختہ) کا نفاذ۔

(۲) اسلامی تعلیم کا خاتمہ، اسلامی نصاب تعلیم میں تصرف و تبدیلی مغربی طرز کے اداروں کا قیام، ''تنصیری مدارس'' (نصرانیت سازی کی تعلیم کے ادارے) کی تاسیسی مہم۔ تاکہ ابناء اسلام آسانی سے لبرل ازم کے اثرات کو قبول کرلیں۔

(۳) ''حقوق اقلیت'' کے نام سے نت نئے افکار و نظریات کے حامل مذاہب کی درآمد، بظاہر یہ عمل آزادی کی حمایت اور فرقہ واریت و تعصب کی مخالفت کا لیبل لئے ہوئے تھا، حقیقت میں اقلیات کے حقوق کی حمایت اور فرقہ واریت و تعصب کی مخالفت کے بجائے، فرقہ واریت کو فروغ دینا اور ممالک میں موجود اقلیتوں کو اکثریت پر مسلط کرنا اور مسلم معاشرہ کی دینی

اسپرٹ کو کمزور نہ تھا جس کا ادراک سادہ لوح مسلمان نہیں کر پائے۔

(۴) ابناء اسلام کے دلوں پر "لبرل ازم" کے نظریات کو نقش کرنے کے لیے تعلیم، صحت اور معشیت کو طاقتور وسائل کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، زبردست جدوجہد۔

عالم اسلام میں لبرل ازم کی شکلیں

"لبرل ازم" بلاد اسلامیہ میں دبے پاؤں اور تدریجی طور پر داخل ہوا، اس کی ابتداء خلافتِ عثمانیہ کے آخری عہد سے ہوئی، جس کا دیارِ اسلام کی محافظت اور ان میں بالجملہ احکام شریعت کے نفاذ میں بڑا کلیدی رول تھا۔ مگر حکومت کی جڑوں کو "اِرجاء" تصوف، اِہمال شوری، اور مشارکت سیاسیہ کی راہ سے اندر اندر سے انحراف عقیدہ کا جرثومہ کھوکھلا کرتا رہا جس کی وجہ سے حکومت کو اصلاح کی ضرورت پیش آئی، یہ صورتحال اس وقت سامنے آئی جب یوروپی حکومتوں کا عروج تھا، اور متعدد تحریکات آزادی، جو عہد قدیم کے مقابلہ میں انقلاب کی شکل میں سامنے آئیں تھیں اور ان سے یوروپ میں سیاسی تنظیموں اور فکری واجتماعی دائروں میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہورہی تھی۔

اسی اثناء میں دولتِ عثمانیہ میں اصلاح کے مطالبہ نے زور پکڑا، مگر اصلاح کا عمل صحیح طریقہ پر انجام پانے کے بجائے، یوروپی طرز پر انجام پذیر ہوا ابتداءً دولت عثمانیہ میں "لبرل ازم" کی تطبیق ایک سیاسی نظم کے طور پر مقصود نہیں تھی، مگر بعد میں آہستہ آہستہ "لبرل ازم" کو سیاسی ڈھانچہ میں بھی شامل کرلیا گیا۔

تنظیموں کا دور

تنظیموں کا دور اس وقت شروع ہوا جب دولتِ عثمانیہ نے اپنے اندر شدید کمزوریوں کا احساس کیا، اور دولت عثمانیہ کے اس احساس کا سبب یوروپ میں عسکری سیاسی اور تعلیمی میدان میں برتری اور ہوشربا ترقی تھی، اس احساس نے دولت عثمانیہ کو ایک ایسے مؤثر طریقہ کی

ایجاد میں غور وفکر کے لیے آمادہ کیا، کہ جس کے ذریعہ وہ صنعتی واداری سطح پر اس کو یوروپ سے آنکھیں ملانے کی صلاحیت عطا کردے، اس وقت تنظیموں کی تشکیل یوروپ کے طرز پر ہوئی، اور یوروپ کو رول ماڈل بنا کر انھیں متحرک کیا گیا، ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کے ذریعے حسبِ ضرورت بموجب مصالح، اختراعات وایجادات کا عمل تکمیل پاتا، اور ان سے اصلاحی عمل کی توسیع ہوتی جس میں تجدید دین اور بدعات ومحدثات سے اسلام کو پاک کرنا بھی شامل تھا۔ مگر افسوس کہ ان امور پر توجہ کے بجائے، صنعتی، سیاسی اور معاشرتی میدان میں یوروپ کی تقلید کو ہی مطمح نظر بنا لیا گیا، جس کی وجہ سے وہ تمام دینی واخلاقی اور تہذیبی ومعاشرتی مفاسد جو یوروپ میں پائے جاتے تھے دولت عثمانیہ میں درآئے۔

یہ تنظیمیں بظاہر "لبرل ازم" کی تطبیق کی عکاس تو نہیں تھیں مگر ان سے واضح طور پر یوروپی انداز سے تأثر کی ابتداء کے اشارے ضرور مل رہے تھے اور صاف پتہ چل رہا تھا کہ یوروپ کے طرزِ عمل کو اپنانے کی تگ ودو چل رہی ہے، جدید عسکری واداری نظام کو معیاری انداز میں تشکیل دینے میں کوئی مشکل تھی نہ کسی قسم کا مضائقہ، مشکل صرف یہ تھی کہ اس نظام کا حصہ خفیہ طور پر ترکی نوجوان پارٹی کے افراد بن گئے جو یوروپ کی تہذیبی چکاچوند اور جاذب نظر مگر گمراہ کن افکار سے متأثر تھے، اس صورت حال سے بظاہر حکومت، علماء اور عامۃ المسلمین غافل اور بے خبر رہے۔

ان میں سے جو تنظیمیں حکومت اور حکومت کے دستوری نظام سے تعلق رکھتی تھیں وہ دولت عثمانیہ کے لیے سنگین مسئلہ بن گئیں، ان کی اور دولت عثمانیہ کی پالیسی اور نظریات میں شدید ٹکراؤ پیدا ہوگیا پھر یوروپ کے استعماری ممالک اور دولت عثمانیہ میں تصادم ہونے لگا، جیسا کہ ۱۸۷۷ء کی روسی جنگ میں ہوا جب یوروپی طاقتوں نے عثمانیوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ حکومت کے لیے دستور کا اعلان کریں۔

۲- اسلام اور مغربی کی لبرل تہذیب کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا طریق کار کی

تعیین، مذکورہ تنظیموں اور یوروپی طرز پر اصلاح کے علمبر داروں میں لبرل ازم کو پھیلانے کی فکر، دولت عثمانیہ کے کچھ منتخب اساتذہ، آفیسران اور ملازمین کا اصلاحی عمل اور اصلاحی مہم کا یوروپی طرز کے معاشرہ کی تشکیل پر ارتکاز[1]۔

یہ جدید فکری تحریک دولت عثمانیہ کے طول وعرض میں پھیل گئی، ہر جگہ تحریک سے وابستہ افراد نے اصلاحی عمل اور اس کے نتیجہ میں بننے والے قوانین کی وضاحت اور تبلیغ کرنے لگے، اس عمل میں دولت عثمانیہ سے وابستہ وہ افراد بھی شریک تھے جو عرب ممالک میں بڑے بڑے مناصب پر فائز تھے، مگر انہوں نے اس اصلاحی تحریک کو اسلام سے الگ کر کے نہیں، اسلامی عقائد سے جوڑ کر پھیلایا۔

فکری محاذ پر اس تحریک کی نمائندگی، ''ضیا پاشا'' اور ''نامق کمال'' نے کی، یہ دونوں یوروپی آداب پر اطلاع رکھنے والے اہل علم میں سے تھے (ادیب، شاعر اور تاریخ نگار تھے) اور اس سے متأثر تھے انہوں نے ''حزب الشباب العثمانی'' کے نام سے ایک سیاسی جماعت بنائی، (یہ سیاسی جماعت استنبول میں بنی پھر اس کا مرکز پیرس میں منتقل ہوا) یہ دونوں اسلام، اور لبرل ازم کے درمیان ربط پیدا کرنے کی سعی کرتے رہے، انھوں نے اسلام اور لبرل ازم کے جدید مفاہیم، جیسے آزادی کا مفہوم پارلیمنٹ، آزادئ نسواں وغیرہ میں ربط پیدا کرنے کے جتن کئے[2]۔

مصر میں طہطاوی نے لبرل ازم کے افکار کو اپنے اندر جذب کیا اور ان کو حد درجہ پسند کیا، طہطاوی پیرس کے سفر میں لبرل ازم کے افکار پر مطلع ہوئے فرانس میں قیام کے دوران انھوں نے فرانسیسی زبان میں لبرل ازم کی تاریخ، فلسفہ اور سیاسی فکر کا خوب مطالعہ کیا۔
انھوں نے ''لبرل ازم'' کے متحرک اور اساسی علمبر دار، ''روسو'' وغیرہ کی فکر سے بھی

[1] الفکر العربی فی عصر النهضة: ۸۹

[2] الفکر العربی فی عصر النهضة: ۹۱

آگاہی حاصل کی، طہطاوی نے آگے چل کر، اسلام اور طبعی قوانین (جن پر یوروپ کے حکومتی نظام کا ڈھانچہ کھڑا ہے) کے اصول ومبادئ کے درمیان موافقت پیدا کرنے کی سعی کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ شریعت کی ایسی تفسیر وتشریح کی جائے جو زمانہ اور جدید احوال وظروف سے مربوط اور ہم آہنگ ہو، انھوں نے ''لبرل ازم'' کو شرعی اصطلاحات اور مفاہیم دینے اور شرعی مفاہیم کی تفسیر، ایسے عصری اسلوب میں کی جو یوروپی تہذیب سے ہم آہنگ تھا، ان کے یہاں ''وطنیت'' کا مفہوم، ''لبرل ازم'' کے اس طے کردہ مفہوم وطنیت سے مختلف نہیں ہے کہ کسی معین شہر اور ملک کے افراد کے مابین ربط وتعلق درحقیقت ایک محدود ملک ووطن میں معاشرت اختیار کرنا ہے۔ اور یہ کہ ایک وطن میں رہنے والے حقوق وفرائض میں برابر ہیں، ان کے درمیان کوئی تفریق اور تقسیم نہیں ہے، اس اعتبار سے اہل ذمہ اور تمام مسلمان برابر ہیں۔

طہطاوی کے پیدا کردہ اس توفیقی منہج سے خیر الدین تونسی ۱۲۲۲ھ/۱۸۱۰ء جو تونس میں وزارت کے منصب پر رہا اور تاریخ نگار اور ''رجال اصلاح'' میں شمار ہوتا ہے) بھی متأثر ہوا، یوروپی ممالک کے بارے میں لکھا ہے: کہ اہل یوروپ نے مقاصد تک رسائی حاصل کی اور سیاسی عدل وانصاف اور انقلاب کی راہیں ہموار کرنے والی تنظیموں کے ذریعہ، انہوں نے علوم وصنائع (سائنس، وٹکنالوجی) کے میدان میں ارتقائی منازل کو سر کرلیا[1]۔

کہنا چاہیے کہ طہطاوی نے ''لبرل ازم'' اور اسلام کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا جو قدم اٹھایا اپنے آپ میں ایک ''فکری ادارہ'' کا قیام تھا، جس میں موافقت، مخالفت کرنے والے ہر طرح کے لوگ تھے، پھر اسی ''فکری ادارہ'' سے تربیت پا کر نکلنے والوں نے ممالک اسلامیہ کا رخ کیا، اس طرح سے لبرل ازم کا دائرہ اثر ونفوذ وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس سلسلہ میں محمد عبدہ (بن حسن خیر اللہ مفتی دیار مصر، رجال اصلاح، کے فرد فرید جن کی پیدائش ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۴۹ء میں مصر کے مغربی قریہ میں ہوئی، ''الجامع الاحمدی طنطا''

[1] أقوم المسالک فی معرفة أحوال الممالک ص۹۸

اور جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ''الوقائع المصریۃ'' جریدۃ کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، جب انگریز نے مصر پر قبضہ کیا، تو انگریز کے خلاف ''الثورۃ العربیۃ'' تحریک کی مدد کی، جس کے نتیجہ میں چھ ماہ تک جیل میں ڈال دیئے گئے، اس کے بعد شام کی طرف جلاوطن کئے گئے، اسی اثناء میں انہوں نے فرانس کا سفر کیا اور جمال الدین افغانی کے ساتھ مل کر ''العروۃ الوثقی'' نامی جریدہ نکالا، کچھ عرصہ کے بعد مصر لوٹ گئے اور مصر کے قاضی مفتی اور ہائی کورٹ کے جج جیسے اعلی مناصب پر فائز کئے گئے۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں اسکندریہ میں وفات ہوئی اور قاہرہ میں مدفون ہوئے، ان کی کتابوں میں تفسیر القرآن الکریم۔ (نامکمل) رسالۃ التوحید، الرد علی ہانوتو، الرد علی الدہریین (کا ترجمہ) قابل ذکر ہیں۔ (الأعلام: ۶/۲۵۲)

ایک مستقل مدرسہ کے بانی ہیں جس سے ''لبرل ازم'' کی تعلیم لے کر بہت سے مبلغ اور رضا کار اسلامی ملکوں میں پہنچے اور وہاں اپنی مسموم فکر کو پھیلایا اور بہت سے ذہنوں کو متأثر کیا، یہی وجہ تھی کہ مصر کے انگریز فرماں روا کرامر نے محمد عبدہ کے بہت سے منصوبوں کی تکمیل میں پورا پورا تعاون دیا اور خدیوی عباس سے جب محمد عبدہ کا اختلاف ہوا اور شدید ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگئی تو انگریز حاکم نے محمد عبدہ کی زبردست حمایت کی اور جامعہ ازہر کی ترقی وتجدید کے لیے جو خاکے انہوں نے تیار کئے تھے انگریز حاکم کی مدد سے ان میں رنگ بھرا۔

انگریز حاکم کرامر نے اپنی کتاب ''مصر جدید'' میں لکھا ہے کہ: ''اس نے محمد عبدہ کو مصر اقامت کے دوران ہر طرح کا تعاون کیا جس کے بغیر محمد عبدہ اپنے منصب افتاء کو بچا نہیں سکتے تھے''۔

انگریز حاکم کہتا ہے: ''محمد عبدہ مصر میں ایک ایسے فکری مدرسہ کے بانی تھے جو قریب قریب علی گڑھ، ہندوستان میں سرسید احمد خاں کے قائم کردہ ادارہ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے نہج پر تھا''۔

آگے لکھتا ہے: ''محمد عبدہ کی سیاسی اہمیت یہ ہے کہ اس نے مغرب اور مسلمانوں کے

درمیان کی خلیجوں اور حائل فاصلوں کو کم کیا اور وہ (محمد عبدہ) اور ان کے قائم کردہ فکری مدرسہ سے نکلنے والے ہر تعاون وتشجیع کے حقدار ہیں، یہ لوگ سچ مچ یوروپی اصلاحات کے عقلیت پسند حلیف ہیں''[1]۔

برطانوی وزارت خارجہ کا مستشرق سکریڑی ''جب'' مغرب کی استشراقی تہذیب سے اسلام کو ہم آہنگ کرنے کی غرض سے قائم کی جانے والی ''تجدیدی تحریکات'' کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''محمد عبدہ کی اصلاحی تحریک کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے اور اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے''[2]۔

اس میں شک نہیں کہ محمد عبدہ اور اس کے شاگردوں کا اختیار کردہ ''منہج توفیق'' مغربی نظام اور لبرل ازم کے افکار کو اسلام میں داخل کیا ہے ان کے نزدیک جمہوریت کا مفہوم شوریٰ، رائے عامہ اور اجتماعیت ہے، قاسم امین اسی تعریف کی بناء پر اپنی کتاب ''تحریر المرأۃ'' میں عورتوں کے اسفار اور اپنے گھروں سے نکلنے کی حمایت کرتا ہے۔ اور دوسری کتاب ''المرأۃ الجدیدۃ'' میں خواتین کی عریانی، زیب وزینت اور مغرب کی تقلید، کے جواز کی بات کرتا ہے اسی وجہ سے ''جب'' مستشرق کہتا ہے کہ: محمد عبدہ کے شاگرد صحیح معنی میں جمہوریت کی صفوں کے لوگ ہیں[3]۔

کرامر نے محمد عبدہ کی مدد کا موقف اس لیے اختیار کیا تاکہ مصر میں ''لبرل ازم'' کی جڑیں مضبوط ہو جائیں، اسی لیے کرامر نے مصر کو ''جدید مصر'' کہا، جو لبرل ازم کے افکار کو قبول کرنے کی وجہ سے پہلے جیسا اسلام پسند اور اسلامی افکار میں راسخ نہیں رہا، بلکہ لبرل ازم کی شکل میں مغربی افکار کو جذب کرنے کے باعث تقریباً مغرب جیسا ہی ہو گیا۔

---

۱ الاتجاهات الوطنية: ۲/۳۰۷

۲ الاتجاهات الوطنية: ۲/۳۰۷

۳ دراسات في حضارة الإسلام: ۱/۲۶۱

کرامر نے اہل مصر کو زور دار لب ولہجہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ مغربی افکار میں ڈھلے بغیر، مسلمان مصر کا حاکم نہیں بن سکتا اور یہ بھی بڑے وثوق سے لکھا ہے کہ مستقبل میں مصر میں وہی مصری شہری حکومت کے اہل ہوں گے جو یوروپ کے تربیت یافتہ ہوں گے[1]۔

چنانچہ بعد میں یہی ہوا، محمد عبدہ کے اس فکری مدرسہ سے نکلنے والے مصر کی حکومت پر فائز ہوئے۔

ملاحظہ کیجئے: مصر میں ''اخوان المسلون'' کی جائز حکومت کو یوروپی فکر کے علمبرداروں نے ختم کر کے ملک کو جس سیاسی واقتصادی اور تعلیمی بحران سے دوچار کیا وہ کرامر کی اسی پیشین گوئی کا ایک حصہ ہے۔

عبدالرحمٰن الکواکبی (سید فراتی کے لقب سے مشہور ادیب، مصنف، اور رحالۃ یعنی کثیر الاسفار شخص محمد عبدہ کے تلامذہ کی طرح ''لبرل ازم'' کا سرگرم حامی ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں حلب میں پیدائش ہوئی محمد عبدہ کے فکری مدرسہ کے طاقتور راہنماؤں میں سے) کا کہنا ہے کہ: ''ہم سب کو ایک کلمہ پر جمع ہونا چاہیے اور وہ کلمہ یہ ہے کہ امت زندہ رہے، وطن زندہ رہے اور ہم باعزت طریقہ سے زندہ رہیں''[2]۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن الکواکبی سیاسی میدان میں جس قسم کی آزادیوں کا داعی ہے وہ دین سے بالکل جدا ہے اور محمد عبدہ اور اس کے متبعین، اور ''لبرل ازم'' کے علمبرداروں کے درمیان فکری قربت کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے جامعہ ازہر سے وابستہ ایک اور بزرگ علی عبدالرزاق بھی اسی فکر کے حامل تھے، ان کہنا ہے کہ اسلام کے دامن میں حکومت اور سیاست کے بارے میں کوئی طریق کار نہیں ہے، نیز دین اور سیاست کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے، دو الگ چیزیں ہیں، علی عبدالرزاق نے ''**الإسلام و اصول الحکم**'' نامی کتاب اسی موضوع

[1] الإتجاهات الوطنية: ۱/۲۶۱

[2] دراسات فی حضارة الإسلام: ۱/۲۶۱

پر لکھی ہے، اور اس میں زیادہ تر اعتماد مستشرقین اور ان کے فکری نتائج پر کیا ہے[1]۔

یہ لبرل رجحان کے ظہور پر محمد عبدہ کے فکری مدرسہ کے فعال کردار کی بین دلیل ہے کیونکہ اس کا یہ مدرسہ عوام الناس میں علماء دین اور مشائخ کا مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔

ان لوگوں نے ''لبرل'' افکار کو ڈھالا، ان کو اسلامی لباس اور شرعی جواز عطا کیا اس کے بعد لبرل افکار کے حاملین کا دائرہ وسیع ہوا اور ''لبرل ازم'' اسلام کے مقابلہ میں کھل کر آگیا، اس میں شک نہیں کہ یہ علماء ومفکرین قصداً ''لبرل ازم'' کے فروغ کے درپہ نہیں تھے البتہ ان کی اس نوعیت کی سرگرمیوں کا طبعی اور منطقی نتیجہ اسلام میں اس کی دریافت ہی کی صورت میں برآمد ہو رہا تھا، اس لیے ابتداءً اسلامی ممالک میں ''لبرل ازم'' کی اشاعت اور اسلامی قانون کو نظر انداز کر کے سول کوڈ کے نفاذ کے لیے محمد عبدہ اور اس کے مکتبہ فکر کے یہ علماء ہی ذمہ دار ہیں[2]۔

ان میں سے بعض نے دین کو حکومت سے الگ کیا، بعض ''سول کوڈ'' کی ترتیت میں راست طور پر شریک ہوئے جو شریعت اسلامیہ کے مقابلہ میں ایک طاغوتی حکم بن کر کھڑا ہوگیا۔

محمد عبدہ نے آخر میں ''دینی تسامح'' کا جو موقف اختیار کیا، اس کے نتیجہ میں انھوں نے اہل کتاب کی عدم تکفیر کا فتوی دیا، ''دینی تسامح'' کا مطلب یہ تھا کہ تمام ادیان برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے، اور اہل کتاب کی تکفیر صحیح نہیں ہے، گویا وہ بھی دائرہ ایمان میں ہیں[3]۔

مصر میں محمد عبدہ کے فکری ادارہ ''المدرسۃ العصریۃ'' کا موقف آج بھی یہی ہے[4]۔

لبرل ازم کی تنظیمیں اور سیاسی جماعتیں

دولت عثمانیہ کے آخری عہد میں کچھ خفیہ تنظیمیں اور سیاسی جماعتیں نمودار ہوئیں جنھیں

[1] الإتجاهات الوطنية: ۲/۸۶، العلمانیۃ: ص:۵۸۲

[2] الفكر الاسلامی دراسة و تقويم: ص:۳۰، العلمانية: ۵۷۷

[3] تاريخ الاستاذ الامام: ۱/۶۶۶

[4] تاریخ الاستاذ الامام

ان استعماری ممالک کی جانب سے مالی تعاون مل رہا تھا جو دولت عثمانیہ کے خلاف سازشیں کر رہی تھیں، تاکہ دولتِ عثمانیہ پر یہ خفیہ تنظیمیں اور سیاسی پارٹیاں استعماری مصالح کے لیے دباؤ ڈال سکیں، ان میں ملک شام میں رہنے والے کچھ عرب نصاریٰ کی قائم کردہ تنظیمیں زیادہ تھیں، جیسے: ''جمعیۃ العربیۃ الفتاۃ'' ''جمعیۃ بیروت'' فارس نمر کی قائم کردہ ''الحزب القومی السوری'' انطوان سعادۃ کی اور ''حزب البعث'' مشیل عفلق کی، ان سیاسی تنظیموں کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے صالح عبود کی تصنیف ''القومیۃ العربیۃ فی ضوء الاسلام''[1]۔

بعض جماعتیں ایسی بھی وجود میں آئیں جن میں اہل اسلام اور نصاریٰ دونوں ہی تھے، جیسے مصر کی ''الحزب الوطنی'' یہ مصر کی پہلی سیاسی جماعت تھی جو سکولر انداز کی نمائندگی کر رہی تھی[2]۔

سیاسی افکار کی کچھ جماعتیں وقتی طور پر وجود میں آئیں اور پھر ختم ہو گئیں جیسے ''حزب اللامرکزیۃ العثمانی'' اس جماعت کا مقصد دولت عثمانیہ کا قلع قمع کرنا تھا[3]۔

اور جن جماعتوں کا اثر ونفوذ زیادہ تھا ان میں ایک جماعت ''جمعیۃ الاتحاد والترقی'' تھی یہ پہلی منظم جماعت تھی، جو ''لبرل ازم'' کے مفہوم عام کی علمبردار تھی، اس کا ظہور اس وقت ہوا جب ایک دوسری جماعت ''اَلاحرار'' سلطان عبدالعزیز کے عہد میں ہیں جو وجود میں آئی اور اس نے ۱۸۶۴ء میں لندن سے ''حریت'' نامی مجلّہ شائع کیا[4]۔

اسی تحریک کے دور میں احکام شریعت سے انحراف اور ''طاغوتی نظام'' سے استفادہ کی بدترین صورتحال سامنے آئی، اس تحریک کی پشت پر ماسونی یہود تھے اسی لیے تحریک میں زیادہ افراد انھیں کے شامل تھے۔ اس تحریک کی سرگرمیوں کے درج ذیل خوفناک نتائج سامنے آئے۔

۱ الاتجاهات الوطنیة:۲/۱۰۲،العلمانیه و آثارها علی الأوضاع الاسلامیة فی ترکیا:۱۹۰-۱۹۱
۲ الاتجاهات الوطنیة:۲/۱۰۲
۳ العلمانیة و آثارها علی الاوضاع فی ترکیا:۱۹۰-۱۹۱
۴ ترکیا الفتاة:۳۹

(۱) دولتِ عثمانیہ کا سقوط، خلافت کا الغاء، اسلامی احکام کا تعطل، اسلامی نظامِ حکومت کی جمہوری طرز کے نظام میں تبدیلی، اور یکساں سول قوانین کی بالادستی۔

(۲) اسلام، عقیدہ، شریعت، اسلامی آداب واخلاق، اور اسلامی تہذیب سے کھلی جنگ، اسلام سے خروج، بغاوت اور ارتداد اور مغربی فکر کے عقائد وتعلیمات اور تہذیب سے وابستگی[1]۔

(۳) یہودی اور صلیبی ریاستوں کے منصوبوں کا نفاذ، صلیبی ریاستوں کے مصالح میں مقدم۔

(۴) خلافت عثمانیہ کے بہت سے اجزاء کا حذف[2]۔

(۵) یوروپ کے طرز پر ترک قوم کی ریاست کا قیام، جو پارلیمنٹ کے تیار کردہ مجموعہ قانون کے تحت کام کرے، مصطفیٰ کمال پاشا نے اس کو امت جدید کے لیے تشریع وقضا کے مضامین کے معاملات کے لیے زیادہ موزوں قرار دیا، ان کی حکومت کے وزیر عدل کا بیان ہے کہ ''ترکی قوم از خود غور فکر کی اہل ہے، پہلے لوگوں کے فکری نتائج سے استفادہ کی انہیں ضرورت نہیں ہے، اس سے پہلے عدالتی اور قضائی نظام پر لکھی گئی کتابوں کی ابتداء اس کلمہ سے ہوئی تھی ''قال المقدسۃ'' اور اب ہمیں سرے سے اس سے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں ہے جو کچھ ماضی میں کہا گیا، بلکہ اب ہمیں اس سے سروکار ہے جو ہم سوچتے اور کہتے ہیں[3]۔

دوسرے اسلامی ممالک میں جن کو ''جمعیۃ الاتحاد'' نے استعمار کی لوٹ مار کا سامان بنا کر رکھ دیا تھا، ان میں شرعی احکام کو ختم کر کے یوروپی طرز کے پارلیمانی قانون کو نافذ کیا گیا۔

(۶) یہودیت اور ماسونیت سے مضبوط روابط اور ان سے مادی وسیاسی تعاون اور ان

۱ النکیر علی منکری النعمة من الدین والخلافة والامة (مصطفی صبری) الإتجاهات الوطنیة: ۲/ ۱۳-۹۸ الشیخ مصطفی صبری و موقفه من الفکر الوافد:۴۸-۵۷
۲ اسرار الماسونیۃ:۵۹
۳ حاضر العالم الاسلامی:۳/۳۳۶

کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے عقائد کا افساد اور اسلامی ممالک کی تباہ کاری کے لیے سازشیں[1]۔

یہ وہ عظیم خیانت تھی جس کے لیے ظلم پیشہ اصلاحی تنظیموں کی نام نہاد اصلاحی کاروائیاں کبھی جواز نہیں بن سکتیں، اس لیے کہ یہ "لبرل فکر" کی حامل تنظیمیں تھیں جو آگے چل کر یوروپ کے لباس اور اس کے دوسرے خارجی مظاہر میں اقتدار پر قابض ہوگئیں۔

حزب الوفد

"لبرل ازم" کی ترویج کے لیے یہ مصر میں برطانوی تسلط کے دوران بننے والی پہلی تنظیم ہے "مصطفیٰ فہمی، سعد زغلول، احمد لطفی السید، مصطفیٰ نحاس" وغیرہ حزب الوفد کے نمایاں افراد میں شمار ہوتے ہیں[2]۔

"حزب" کا دعویٰ تھا کہ لادینیت کی اساس پر ایک محدود ریاست قائم ہو، اسی لیے اس نے وطنی اساس پر فرعونیت کے احیاء اور فرعونی آثار کی تعظیم کا مطالبہ کیا، یہ مطالبہ بھی کر ڈالا کہ عام مصری لہجہ کی ترویج ہونی چاہیے، عربی زبان کے سیکھنے اور سکھانے کا کوئی جواز نہیں ہے، اس باب میں احمد لطفی السید مصر میں "لبرل ازم" کا بابائے آدم اور بہت سے لبرل فکر کے حاملین کا استاذ تھا۔ اسی لیے انہیں "استاذ الجیل" کہا جاتا ہے، یہ لوگ مصر میں قابض انگریزی حکومت کے مخلص حلیف تھے اور ان کی مداہنت پسندی انگریزی حاکم کی حمایت کو "عقلانیۃ" کا نام دیتی تھی۔

"حزب" کے مصر میں انگریزی حاکم (کرامر) سے نمایاں تعلقات تھے اور یہ یوروپی میلان کی ایک تنظیم تھی جو حقیقت میں اس کی سیاسی وفکری نقطہ نظر کی ترجمان تھی۔

"حزب" نے "وحدۃ اسلامیۃ" کے فکر پر ہلا بولتے ہوئے کہا تھا کہ یہ ایک خیالی چیز

۱ مذكرات السلطان عبد الحميد: ۴۹-۶۹، تاريخ الادلة العثمانية: ۱۹۷، الذئب الاغبر: ۲۹، تركيا الفتاة: ۲۰۰، القومية و الغزو الفكرى: ۲۶۹-۲۷۰، صحوة الرجل المريض: ۲۴۲، الشيخ مصطفى صبرى و موقفه من الفكر الوافد: ۳۴-۳۵

۲ الاتجاهات الوطنية: ۹۴-۹۵

ہے کیونکہ اس کے تصور میں ترقی کا راستہ ایک قومی ریاست کی تشکیل تھی جیسے یوروپ میں انقلاب فرانس کے بعد یہی صورت حال ترقی کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

جب تک مصر پر انگریزی حکومت کا تسلط رہا، "حزب الوفد" کا بول بالا رہا، یوں کہا جا سکتا ہے کہ "لبرل ازم" ہی کی حکومت رہی، سعد زغلول جو "حزب الوفد" کے سرگرم رکن تھے، انگریز کے بالخصوص اور اہل مغرب کے بالعموم مخلص دوست تھے، جیسا کہ اس وقت کے امریکی صدر ولسن کے نام ان کے خطوط سے انگریز کے تئیں ان کے غلامانہ جذبات اور نیاز کیشیوں کا اندازہ ہوتا ہے[1]۔

اسلام اور لبرل ازم میں مصالحت کی کوششیں

اسلام اور لبرل ازم کے درمیان قربت پیدا کرنے کی مساعی کا آغاز انیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے جب دولتِ عثمانیہ بکھر گئی اور لبرل فکر کا ممالک اسلامیہ پر تسلط مغرب کی مادی فکر کا ظہور ہونے لگا جس کی وجہ سے بلاد اسلامیہ کمزوری کا شکار ہو گئے اس وقت ایک مشہور فکری سوال ذہنوں میں پیدا ہوا کہ "آخر مسلمان کی پسماندگی اور غیروں کی ترقی کی وجہ کیا ہے؟"

"اسلام" اور "لبرل ازم" کے مابین قربت اور ربط پیدا کرنے کا عمل درحقیقت مغرب کی اس غالب قوت کے سامنے نفسیاتی ہزیمت کی فضا میں شروع ہوا، جس نے اس وقفہ میں بہت سے ابناء اسلام کی عقلوں کو اسیر بنا لیا اور مغرب سے تقابل کو ایک قابل تعریف چیز سمجھا جانے لگا بالخصوص "لبرل ازم" اس دور کی نسلوں سے نئے علوم ومعارف کے ساتھ مسلح ہو کر متصادم ہونے لگا، حالاں کہ وہ عہد ضعف علم، انتشار جہل جمودِ فکر، فرق ضالہ کی آراء کی تقلید، مذہبی تعصب اور سیاسی استبداد کا تھا جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے۔

"لبرل ازم" اور "اسلام" کے درمیان قربت پیدا کرنے کے عمل کو دو جہتوں سے تقویت ملی (۱) محمد عبدہ اور اس کے تلامذہ کی اصلاحی تحریک اور اس کے ذریعہ "لبرل ازم" اور

۱ الاتجاهات الوطنية: ص: ۹۴-۹۵-۱۰۵-۱۳۶-۱۵۲/۲-۳۸۹-۴۲۹

اسلام کے مابین ہم آہنگی کی سعی، جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے۔

(۲) دوسری عالمی جنگ میں برطانوی وفرانسی استعمار کے خروج کے بعد علاقہ پر یوروپ کے متحدہ ممالک کا قبضہ اور سوویت یونین میں کمیونزم کا ظہور ''لبرل ازم'' کے لیے ایک نئے چیلنج کے طور پر سامنے آیا۔

لبرل اسلام کے بارے میں امریکی منصوبہ

ولایات متحدہ امریکہ نے شروع ہی سے اسلام کی لبرل تشریح پر توجہ دی ہے کیوں کہ اس سے ولایات متحدہ امریکہ کے ممالک اسلامیہ پر طاقتور تسلط کے بہت سے مصالح وابستہ ہیں، امریکہ کو معلوم تھا کہ اسلام کو اس کی قوت اور مسلمانوں کی اس سے وابستگی کی وجہ سے اسلامی ممالک سے پوری طرح دور کرنا امر محال ہے، اس کی قوت تاثیر اور فاعلیت کو تبدیل و تحریف کے ذریعہ ختم کرنا سب سے کامیاب راستہ ہے اور دوسری طرف سے اسلام کی لبرل تاویل وتفسیر بلاد اسلامیہ کے عوامی روابط کو مغربی تہذیب کے ساتھ مربوط کرتا ہے، اس سلسلہ میں امریکہ کی کچھ تجاویز اور کارروائیوں کی جانب اشارہ کرنا مناسب ہوگا:

(۱) ''مؤتمر شرق ادنی'' معاشرت وثقافت مارچ ۱۹۴۷ء

(۲) مؤتمر ثقافت اسلامی وحیات معاصرہ ۱۹۵۳ء

(۳) دور جدید میں اسلام کا مطالعہ

(۴) لبرل اسلام کا مطالعہ

(۵) ادارہ امریکی لبرل اسلام کے بارے میں قرارداد

اس منصوبہ کے اہداف یہ تھے:

(۱) ''لبرل ازم'' کو قابل قبول بنانے کی غرض سے سیاسی (جمہوری) اور اقتصادی (سرمایہ داری) میں خطہ کی صورت حال میں تبدیلی پیدا کرنے کا عزم، امریکہ کا خیال تھا کہ بلاد شرق اوسط میں لبرل ازم کی تطبیق وتنفیذ، عوام کی مشکلات اور گھٹن کو کم کرے گی، خطہ کے عوام

کے اوپر سے دہشت گردوں (مجاہدین) کے اثرات اس سے کم ہوں گے۔

(۲) خطہ میں گلوب لائیزیشن (عالمگیریت) کے لیے فضا سازگار بنانا، زیادہ سے زیادہ روزگار کے لیے بازاروں میں مغربی (اقتصادی) کمپنیوں کو داخل ہونے کے مواقع فراہم کرنا، جس سے خود مغرب کی اقتصادی کمپنیوں کو درپیش مشکلات سے بھی چھٹکارا مل سکے گا؛ مگر یہ منصوبہ کسی دینی اور قومی شناخت سے مبرّا ہوگا۔

لبرل ازم اقتصادی میدان میں

اسلامی ممالک کے اقتصادیات میں ''لبرل ازم'' کا ظہور اس وقت ہوا جب سرمایہ دارانہ نظام سے وابستہ بڑے بڑے ممالک نے عالمی اقتصادی میدان پر قبضہ کرلیا اس سلسلہ میں حسن حنفی نے لکھا ہے کہ:

لفظ ''اللہ'' ایک ایسا لفظ ہے جس سے ہم خوشی والم کے وقت زبان پر لاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ واقع سے زیادہ لفظ ''اللہ'' کا) تعلق تعبیر ادبی سے ہے اسی طرح خبر کے مقابلہ میں اس لفظ کا زیادہ تعلق انشاء سے ہے اور واقع میں لفظ اللہ کے کوئی معنی نہیں''۔

اسی طرح یہ بھی کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی چھ صفات علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، کلام، حقیقی معنی میں بندے کے لیے ہیں اور مجازی معنی میں اللہ کے لیے (نعوذ باللہ)[۱]۔

یہ انکار اور الحاد اسلام کے منافی ہے مگر حسن حنفی اس کو اسلام پر چسپاں کرتا ہے اور اس سلسلہ میں ابن عربی، ابن سینا وغیرہ کی کتابوں سے استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کتابوں کے پڑھنے سے جس طرح کا اسلام سمجھ میں آتا ہے، وہ اسلاف کے اس غیر عقلانی (غیر معقول) مطالعہ سے یکسر مختلف ہے، اس طرح حسن حنفی اسلام کے نام پر یا اسلام کی صورت میں ایک ملحدانہ کمیونزم کی بنیاد رکھتا ہے۔

اسی انداز میں ابوزید نبوت کے مسئلہ پر بحث کرتا ہے اور اس کو محض انسانی مسئلہ قرار

[۱] من العقيدة الى الثورة: ۲/ ۶۰۲، ۶۰۴

دیتا ہے جس میں فکر اور واقع میں کوئی ارتباط نہیں ہے۔ (یعنی محض ایک فکری چیز ہے نفس الامر اور واقع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے[1]۔)

الحادی فکر کی بنیاد

ملحدین کا یہ کہنا ہے کہ نصوصِ قرآنیہ کی کوئی حقیقی اور موضوعی تفسیر نہیں پائی جاتی ہے اور نہ ہی وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کا معیار ہو سکتی ہیں، نص قرآنیہ خاموش آئینہ ہیں اور گونگی ہیں، ان کا مؤلف مر چکا ہے۔ (استغفر اللہ) معانی و مفاہیم اور مطالب و تفاسیر کا دار و مدار متکلم پر ہے کہ جو چاہے مراد لے، اس طرح نصوص کی قرأت (رفع، نصب، جر، سکون) کے سلسلہ میں بھی متکلم کو اختیار ہے کہ جو حرکت بھی چاہے پڑھے اور جب یہ قرأتیں مختلف ہوئیں تو ہر قرأت ظنی ہوئی، جیسے یہ امکان ہے کہ صحیح ہو اسی طرح یہ بھی ہے کہ صحیح نہ ہو، کسی ایک قرأت کی صحت پر دلیل قائم نہیں کی جا سکتی[2]۔

الحادِ فکر کے تطبیقی نمونے

۱- دین کی حکومت سے علیحدگی

۲- شریعت کی کنارہ کشی اور قوانین وضعیہ (انسانی قوانین) کی تطبیق (نفاذ)

اس سے تشکیل پانے والے ڈھانچہ کو ''سیکولر اسلام'' کا نام دیا جاتا ہے[3]۔

حسن حنفی نے لکھا ہے:

''سیکولر ذہنیت کے انسان کی درآمد؛ اس کی آزادی سلوک و اظہار، آزادیٔ فہم و ادراک اور انسان پر عقل و ضمیر کے اختیار کے علاوہ ہر قسم کے دباؤ اور اختیار کو کلیۃً مسترد کر دینے کے لیے میں نے ''سیکولرازم'' کی بنیاد رکھی، اس صورت میں ''سیکولرازم'' وحی کی اساس ہے اور وحی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ''سیکولر'' ہے اور اس کی دینی حیثیت محض ایک اوپری چیز ہے جس کو تاریخ

۱ دراسۃ فی علوم القرآن: ص:۳۸،۶۵

۲ مجلّہ قضایا اسلامیۃ معاصرۃ:۹۰،۱۰۰ ۳ العصرانیون : ص ۲۷۴،۲۷۵

نے تشکیل دیا ہے[1]۔

دین اور حکومت کے درمیان فصل ہے، دین ایک شخصی، معاملہ ہے جب کہ حکومت ایک تمدنی معاملہ ہے جو عقل اور ان مصلحت پسندانہ نقاط پر مبنی ہے جو علی عبدالرزاق کے زمانے سے ''مدرسہ عصریہ حدیثہ'' کی کتاب سے متفق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ماضی میں عصرانیت، (MODERNISM) علمانیت (SECULARISM) تک پہنچانے کا وسیلہ رہی ہے اور اب جدت پسند اور سیکولر فکر کے علمبردار، مغربی جدت طرازی سے ان دونوں کو مربوط کرنے کے لیے اسلامی عقائد و احکام اور اخلاق و آداب میں تاویل کرنے میں اتفاق رکھتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ''لبرل اسلام'' کا نظریہ متعارف ہوا ہے۔

''لبرل اسلام'' کے علمبرداروں کے نزدیک صحت و قبول میں تمام آسمانی مذاہب برابر ہیں جس کا لازمی تقاضہ دیگر اہل مذاہب کی تکفیر اور دین کی بنیاد اور اصول کی مخالفت ہے، لبرل اسلام کے ایک سرگرم حامی عبدالعزیز کامل کا کہنا ہے،

کہ ہم شرقِ اوسط کے خطہ میں عقیدۂ توحید پر ایک خاص انداز سے ایمان رکھتے ہیں یا پھر سب سے یکسر مختلف، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اسلام، مسیحیت اور یہودیت برابر ہیں، یہاں تک کہ مسیحی فکر میں اقانیم ثلاثہ پر ایمان ایک الٰہ پر منتج ہوتا ہے (یعنی تینوں مل کر ایک الٰہ ہیں) یہ توحید کا خطہ ہے مگر اس کی شکلیں مختلف ہیں[2]۔

ان کے نزدیک اس سلسلہ میں اس قدر وسیع المشربی ہے کہ وہ دین اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب (الہامیہ و غیر الہامیہ سب) کو صحیح مانتے ہیں۔

اور کم از کم دوسرے مذاہب کے عقائد و افکار کے فساد و بطلان پر جزم و یقین کے ساتھ کوئی گفتگو نہیں کرتے، دوسرے لفظوں میں ان کے نزدیک ان مذاہب کے عقائد و

۱ التراث و التجدید: ص۶۹

۲ الاسلام و العصر، ص: ۱۹۴

نظریات کی صحت پر انھیں جزم حاصل ہے جس کے ہوتے ہوئے وہ ان کو غلط نہیں کہہ سکتے۔

''لبرل اسلام'' کا یہ مکتبہ فکر اپنے افراد، آراء، اہداف و مقاصد، روابط اور افراط و تفریط میں متنوع بھی ہے اور عجیب و غریب بھی، یہ مختلف زبانوں سے تیار شدہ ایک فکر ہے جو اسلام کو عصرانیت (MODERNISM) سے ہم آہنگ کرنے کی تاویلات و توجیہات میں یقین رکھتی ہے۔

یہ مکتبہ فکر زنادقہ و ملاحدہ کے چوں چوں کا مربہ ہے جو اسلام کی جڑوں اور اس کے بنیادی اصولوں پر تیشہ زنی کرتا ہے، اس مکتبہ فکر کے بعض افراد تو اپنے عقیدہ و فکر میں جی جان سے لگے ہوئے ہیں بعض شکست خوردہ ذہنیت کے حامل اسلامی ادباء، مصنفین، فقہاء اور داعیین، ان میں شامل ہو گئے ہیں۔

پھر ان کے افکار بھی یکساں نہیں ہیں، مختلف اور متنوع ہوتے چلے گئے ہیں۔

لبرل ازم کے رجحانات

ابتداء میں ''لبرل ازم'' کی دعوتِ ''حریتِ عامہ'' اور مغرب کے ترقی پذیر عہد میں مادی تہذیب کی سطح تک رسائی کے لئے اس کی اقتداء اور تقلید تک محدود تھی، مگر اس کے بعد تحریک اپنے اہداف کی جولان گاہ کو وسیع کرتی چلی گئی اور نئے نئے رجحانات سامنے آنے لگے، ان میں دو طرح کے رجحانات نے اسلامی ممالک کو زیادہ متاثر کیا۔

(۱) عصرانیت Moderanism

اس رجحان کا حاصل یہ تھا کہ ''لبرل ازم'' کو اسلام سے جوڑنے کی سعی کی جائے کیوں کہ اسلام سے الگ رکھ کر بلاد اسلامیہ میں اس کی ترویج و اشاعت اور اس کو مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں اتارنا مشکل ہوگا، لہٰذا ایک ایسا جاذب نظر عنوان اختیار کیا جائے جس کو جدت پسند اور مادی تہذیب و مادی ترقی کے دلدادہ مسلم عوام پوری رضا و رغبت کے ساتھ قبول کر سکیں، یہ

عنوان تھا ''جدید اسلام''۔ اسلام میں ''جدید'' کا اضافہ قدامت پسند یا راسخ العقیدہ مسلمانوں کیلئے ناگوار اور ناقابل قبول سہی مگر جن ابناء اسلام کی آنکھیں مغربی تہذیب کی چکاچوند اور اس کی سیاسی سحر طرازیوں اور نت نئی صنعتی ترقیات کی طلسم ربائیوں سے خیرہ ہو چکی تھیں، ''لبرل ازم'' کے اس شیطانی حربہ کو سمجھے اور اس کی حقیقت اور مقاصد کا ادراک کئے بغیر متنوع و مکلّف کھانوں سے مزین دسترخوان سمجھ بیٹھے، اس مہم کا پہلا مرحلہ تو یہ تھا کہ آزادی کی تحریک کو جمہوریت سے جوڑ مشتہر کیا جائے، اس کے بعد وہ تمام خود بخود راستے کھل جائیں گے جنہیں کھولنے کے لئے ''لبرل ازم'' جمہوریت کو ایک ''شاہ کلید'' کی طرح استعمال کرانا چاہتا ہے، ہر شخص کا اپنے طور پر با اختیار اور ہر قسم کے معاملات میں خود فیصلے کرنے اور آزادی کے ساتھ ہر کام کرنے کا مجاز ہو جاتا ہے۔ جس میں عقائد، اعمال، سیاست، معاشرت، معیشت سب کچھ داخل ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کے عقائد اور نظریات کے بارے میں نرم رخی بلکہ دین اسلام کی طرح ان کا مکمل احترام اور ان کی حقانیت اور صداقت کا اعتراف وغیرہ وغیرہ۔

طہطاوی (جن کا ذکر سابق میں آچکا ہے) کا کہنا ہے کہ:

''عملِ مباح کی رخصت، اس طرح کہ عمل غیر مباح کی راہ میں نہ رکاوٹ بنے نہ ہی اس کے لئے معارض اور محظور ثابت ہو، ''لبرل ازم'' اس طرح کی ''حریت'' کا علمبردار ہے۔''

''لبرل ازم'' میں آزادی کی چار قسمیں ہیں

(۱) حریت طبعیہ (۲) حریت سلوکیہ (۳) حریت دینیہ (۴) حریت سیاسیہ

''حریت طبعیہ'' کی تخلیق انسان کے ساتھ ہی ہوئی ہے اور یہ انسان کے خمیر میں فطرتاً رکھی گئی ہے۔ انسان کو اسے اپنے سے جدا کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اس کو انسان سے الگ کرتا ہے تو وہ ظالم شمار ہوگا[۱]۔''

خیر الدین تونسی کا خیال ہے کہ:

۱؎ المرشد الامین (الاعمال الکاملہ للطہطاوی ۳/۳۷۴، ۳۶۴)

''حریت اور ہمت انسانیہ یہ دونوں ہر حیرت انگیز صفت کا منبع ہیں اور اہل اسلام میں یہ دونوں قوت عزیزیہ کی طرح ہیں۔فنون، تہذیب میں ان کی شریعت جو کچھ اکتساب کرتی ہے یہ دونوں چیزیں اس سے مدد لیتی ہیں[۱]۔''

الکوکبی کا کہنا ہے کہ:

''حریت شجر خلد ہے جس کو بہتے ہوئے خون کے قطرات سیراب کرتے ہیں۔(طبائع الاستبداد[۲]۔''

یہاں حریت سے اس کے عام معنی مفہوم ہوتے ہیں، مگر مراد مغربی طرز کی حریت ہے جس نے اپنے عہد کے اچھے اچھے سمجھ دار لوگوں کو مسحور اور آنکھوں کو چکا چوندھ میں مبتلا کر دیا جیسا گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

اس رجحان نے ''لبرل ازم'' کی بنیاد ڈالی جو اسلام اور مغرب کی تہذیبی اقدار کے درمیان قربت اور ربط کی ایک صورت ہے اور ''حریت'' اسی تصور کی دین ہے۔

''لبرل ازم'' کے اس رجحان نے زندیقیت کا دروازہ کھولا اور زنادقہ ''نصوصِ تاریخیہ'' کے نام سے دین سے کھلواڑ کرنے لگے۔

(۲) سیکولرزم

سیکولر رجحان مغرب کے لبرل طرز کی آزادی کا مطالبہ کرتا ہے جس میں دین سے کوئی ربط ضبط نہ ہو۔

احمد لطفی سید نے لکھا ہے:

''ہمارے نفوس آزاد پیدا ہوئے ہیں، نفوسِ انسانی کو اللہ تعالیٰ نے آزادی کے سانچہ میں ڈھالا ہے، ہماری ذات کا مفہوم یہ ہے کہ ہم انسان ہیں، ہماری آزادی ہمارا وجود ہے اور

۱ اقوام المسالک، ص۱۵۸
۲ الاعمال الکاملہ للکوکبی، ص۵۷

ہمارا وجود آزادی ہے (وجود اور آزادی دونوں ایک ہی چیز ہیں، دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں کئے جا سکتے)[۱]۔''

(ا) طٰہٰ حسین نے ترقی کے منہج کی وضاحت اس طرح کی ہے ''ترقی یہ ہے کہ ہم یورپ کے طرز پر چلیں تاکہ ان کے ہمسر بن جائیں اور تہذیب میں ان کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہوں، اچھے برے، سیاہ سفید، پسندیدہ وغیر پسندیدہ ہر شئے میں اس کے ساتھ رہیں[۲]۔''

(مصری ادیب و ناقد پیدائش ۱۸۸۹ء وفات ۱۹۸۳ء بچپن میں بینائی جاتی رہی، ادب اور زندگی کے تئیں اپنی کج مج آراء اور اسلامی مسائل میں اپنے غیر پسندیدہ موقف کی وجہ سے شہرت پائی۔آثارِ علمیہ میں ''الایام''، ''فی الشعر الجاہلی''، ''المعذبون فی الارض''، من تاریخ الادب العربی مشہور ہیں۔[۳])

طٰہٰ یٰسین یہ کہہ کر اپنی بات پر مزید زور دیتا ہے:

''ہم یوروپ سے ایسا مضبوط و مستحکم اتصال اور تعلق کے خواہش مند ہیں جو آئے دن بڑھتا ہی رہے یہاں تک کہ ہم لفظاً و معناً اور حقیقتاً و شکلاً یوروپ کا حصہ بن جائیں[۴]۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ لبرل ازم کا یہ رجحان یوروپی طرز کی آزادی کا متقاضی ہے نہ کہ کسی خاص تہذیب اور تبدیلی کا۔عرب ممالک میں بسنے والے نصاریٰ کا اپنے اخبارات اور لٹریچر کے ذریعہ اس فکر کی ترسیخ اور ترویج میں بڑا نمایاں اول رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عرب نصاریٰ سرزمین عرب میں صحافت کے بانی شمار ہوتے ہیں، بالخصوص مصر میں انہوں نے صحافت سے لبرل ازم کے پھیلانے میں ایک کارآمد ہتھیار اور موثر وسیلہ کا کام لیا۔ **المعتطف**، الہلال، الاہرام، المقطم وغیرہ نصاریٰ کے مشہور مجلّات ہیں۔

۱ مفہوم الحریہ ص۵۰
۲ مستقبل الثقافة، فی مصر، ص۴۳
۳ معجم اعلام المورو ص، ص۱۷۲
۴ مستقبل الثقافه فی مصر ص۴۸

اسلامی لبرل ازم کا رجحان

سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ اسلام اور ''لبرل ازم کے درمیان قربت اور ربط پیدا کرنے کی مہم کا آغاز محمد عبدہ اور ان کے تلامذہ کے ذریعہ ہوا، اس کے بعد ''اسلامی دہشت گردی'' کے عنوان سے امریکہ اور اس کے حلیف ممالک نے میڈیا پر اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ عرب حکمراں تھرا اٹھے، قدامت پسند یا راسخ العقیدہ مسلم نوجوانوں کے لئے یوروپ اور عرب میں ہر طرح کی مشکلات کھڑی کی گئیں۔ امریکہ میں ۹/۱۱ کے حملہ کے بعد صورت حال اور زیادہ بدل گئی۔ عرب حکمراں اس قدر شکستہ ہمت ہو گئے کہ انہوں نے ائمہ مساجد کے دینی خطبات تک کو سنسر کرنا شروع کر دیا۔ امریکہ و برطانیہ کے مظالم اور اسلام دشمنی کے نت نئے ہتھکنڈوں، عرب ممالک کے سیاسی معاملات اور دینی مسائل تک میں امریکی مداخلت کے خلاف لب کشائی تو درکنار اس کے بارے میں سوچنا بھی جرم قرار دیا گیا۔

اس موضوع پر دعوی الاسلام اللیبر الی ص ۳۶۹ ملاحظہ کیجئے:

اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر لبرل فکر کے علمبرداروں نے عرب دنیا میں ''اسلامک لبرل ازم'' کی فکر کو زبردست فروغ دیا۔

جدید لبرل ازم کے اہداف

(۱) مطلق فکری آزدی

(۲) مطلق دینی آزادی

(۳) عورت کی آزادی اور مساوات

(۴) سیاست وقیادت میں حصہ داری

(۵) دینی اصلاحات کا مطالبہ

(۶) دینی تعلیم کے منہج میں ترمیم اور عصری مواد کی شمولیت کی پرزور وکالت

(۷) سیاسی اصلاحات

(۸) دین فرد کا ایک ذاتی معاملہ ہے، اس کو سیاست سے الگ رکھا جائے

(۹) مذہبی مواد اور مذہب کی مقدس کتابوں پر علمی تنقید

(۱۰) جمہوری حقوق کی دستیابی[۱]۔

آخر میں عالمِ اسلام میں موجود ''لبرل ازم'' کی نوعیت اثرات اور صورتِ حال کی یہ کچھ جھلکیاں ہیں جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہیں، باندیشۂ طوالت محاضرہ کے پہلے حصہ کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے، دوسرے حصہ میں شرعی اور اسلامی نقطۂ نظر سے ''لبرل ازم'' پر بات ہوگی۔

(واللہ الموفق)

☆......☆......☆

[۱] من هم الليبراليين العرب الجدد وما هو خطابهم شاكر نابلسي۔